دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ 2012ء / صفر تا ربیع الثانی 1433ھ   جلد نمبر 04 شمارہ نمبر 01   رجسٹرڈ نمبر 370-S

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر و فلسفہ

''سورت الاخلاص میں ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق کے حوالے سے انسانی سماج کی تشکیل کے مرکزی فکر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور ہر مسلمان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے پکار کر اس ذاتِ واحد کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے۔ اس طرح ''توحیدِ الٰہی'' کو قرآنی تعلیمات کے بنیادی فکر و فلسفے کے طور پر مرکزی نقطے کی حیثیت دی گئی ہے۔ کائنات میں انسان کی نسبت سے جتنے شرور اور نقصان دہ امور تھے، ان سے بچاؤ کے لیے سورت الفلق میں ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی دعا کی گئی ہے۔ اس طرح توحیدِ الٰہی کے مرکزی فکر کے ساتھ انسان کی نسبت سے کائنات کے تمام امور کو مربوط کر دیا گیا ہے۔

سورت الناس میں انسانی معاشروں میں پائے جانے والے تمام شرور سے بچنے کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی دعا کی گئی ہے۔ اس طرح انسانی سماج کے ''توحیدِ الٰہی'' کے ساتھ ربط کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یوں بڑے مربوط انداز میں قرآن حکیم کے بنیادی فکر و فلسفے، کائنات میں اُس کے پھیلاؤ اور انسانی معاشرے میں اس کے اثرات و نتائج کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ سورتیں دعا کی صورت لیے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان سورتوں کو پڑھنے والا، ان میں بیان کردہ امور کے ساتھ اپنے گہرے تعلق اور مستحکم عزم کا اظہار کرتا ہے۔''

(قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر و فلسفہ۔ ص:55)

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ 2012ء / صفر تا ربیع الثانی 1433ھ | جلد نمبر 04 شمارہ نمبر 01 | رجسٹرڈ نمبر 370-S

زیرِ سرپرستی

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مجلسِ ادارت

مدیر	مدیرِ اعلیٰ	صدرِ مجلس
محمد عباس شاد	مفتی عبدالخالق آزاد	پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

مشاورت

مفتی عبدالمتین نعمانی	بورے والا	پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب
مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کراچی	
مفتی عبدالغنی قاسمی	لاہور	پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور
مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر	اسلام آباد
ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی	سکھر	پروفیسر محمد سعید اختر	اسلام آباد
مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکار پور	پروفیسر قاضی محمد یوسف	حسن ابدال
مولانا محمد ناصر	جھنگ	پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے | سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

PH:0092-42-36307714 / 36369089 web: www.rahimia.org

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

گلدستۂ مضامین

اداریہ: حرفِ اول — مدیرِ اعلیٰ — 03

تاریخی سلسلۂ اسناد
برِ صغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل (5)
"سبیل الرّشاد" کا اردو ترجمہ
تحریر و تصنیف: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد — 05

مطالعۂ قرآنیات
قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر و فلسفہ
(ولی اللّٰہی تعلیمات کی روشنی میں سورت الاخلاص اور معوذتین کا مطالعہ)
ترتیب و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد — 55

سیاسیات
اسلام کا نظریۂ جنگ؛ مقاصد و ضوابط
(قرآن و سنت کی روشنی میں خصوصی مطالعہ)
تحریر: ڈاکٹر ذوالفقار علی — 97

تعارف مقالہ نگار

- مفتی عبدالخالق آزاد

ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

- ڈاکٹر ذوالفقار علی

لیکچرار گورنمنٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

اداریہ

حرفِ اول

انسانی زندگی کی خوب صورتی یہ ہے کہ اس کا سماجی ارتقا مسلسل اور ہموار طریقے سے جاری رہے۔ سماجی زندگی میں جمود پیدا نہ ہو، بلکہ اس میں عصری تقاضوں کے مطابق فکری و عملی تحریک موجود رہے۔ اور اس کی اساس پر معاشرے کا ارتقائی سفر آگے بڑھتا رہے۔ انسانی سماج کے اس تہذیبی سفر کے لیے جدوجہد اور عمل سے بھرپور ایک نظامِ زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام، عملی فعالیت سے بھرپور ہونا چاہیے۔ ہر نظام اپنی داخلی ساخت میں ایسے اصولوں کا تقاضا کرتا ہے، جن پر افرادِ انسانی کی شیرازہ بندی کی جاسکے۔ متعین اور تسلیم شدہ اصول ہی افراد کی متنوع طبیعتوں میں باہمی وحدتِ فکر و عمل پیدا کرتے ہیں۔ ایسے تسلیم شدہ اصول انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی تشکیل کے لیے ایک واضح رُخ متعین کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ انسانی سماج کی تشکیل کے ان اصولوں کے درمیان بھی باہمی ربط ہو۔ یہی نہیں، بلکہ انسانی سماج کو انتشار سے بچانے کے لیے ایک مربوط فلسفۂ فکر و عمل موجود ہونا چاہیے۔ ایسا فلسفہ جو انسانی زندگی کے لیے ایک مرکزی نقطہ متعین کرکے ہمہ جہتی تحریک رکھنے والے عملی نظام اور اس کے فکری اصولوں کو مربوط طور پر سمجھنے کا شعور بخشے۔ اصولوں کے مربوط مطالعے سے فلسفے کی صورت گری سامنے آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے فلسفے کا گہرا شعور ہی قوموں کی ترقی کا باعث ہوا کرتا ہے۔

قرآنی تعلیمات نے انسانی سماج کی تشکیل کے لیے ایک متحرک اور فعال نظامِ حیات، مربوط فلسفۂ فکر و عمل اور اس پر تربیت یافتہ اولوالعزم انسانوں کا تاریخی تسلسل پیش کیا ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اساسی اصول وضع کیے ہیں۔ زندگی کی شیرازہ بندی کے لیے افکار و نظریات واضح کیے ہیں۔ انھیں عمل میں لانے کے طریقۂ کار کی نشان دہی کی ہے اور عملی جدوجہد کا شعور بخشا ہے۔ اور پھر ان تمام امور اور نظامِ زندگی کو ایک مربوط فلسفے کے طور پر سمجھایا ہے۔ اس طرح قرآنی تعلیمات پر مبنی فکر و فلسفے اور نظامِ حیات نے اقوامِ عالم کو سماجی ارتقا کے حوالے سے گہری شعور و آگہی عطا فرمائی ہے اور انسانی ذہن کی ترقی کے لیے ایک اعلیٰ فکر و فلسفے کا شعوری وِجدان بخشا ہے۔ جس سے سرشار ہوکر ہر دور کے اولوالعزم انسانوں نے جرأت و ہمت اور سربلندی کے اعلیٰ معیارات قائم کیے ہیں۔ اس طرح انسانی فطرت کو اپنی سربلندی کے اظہار کا صحیح موقع ملا ہے اور انسانی طبیعتوں کے سامنے شاہراہِ فکر و عمل متعین ہوئی ہے۔ چناں چہ قرآنی فکر و فلسفہ اور اس کے نظامِ حیات کو عمل میں لانے والے اولوالعزم افراد کا پچھلے چودہ سو سال سے جاری تاریخی تسلسل اس حقیقت کی واضح نشان دہی کرتا ہے۔

اس شمارے کا پہلا مقالہ ''برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل'' مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب **''التمہید لتعریف ائمۃ التجدید''** کے ایک حصے **''سبیل الرشاد''** کے اردو ترجمے کی پانچویں قسط پر مشتمل ہے۔ جس میں برصغیر میں دینی تاریخی تسلسل کے چوتھے دور (412ھ/1021ء تا 542ھ/1147ء) اور پانچویں دور (542ھ /1147ء تا 790ھ/1388ء) کی خصوصیات کی نشان دہی اور ان ادوار میں موجود علما وفقہا، صوفیا اور فلاسفہ کے سلسلہ ہائے اسناد کا تعین کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کے مطالعے سے اسلام کے پیش کردہ نظامِ زندگی اور فلسفہ حیات پر عمل کرنے والے اولوالعزم افراد اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

اس شمارے کا دوسرا مقالہ ''قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر و فلسفہ'' کے عنوان سے ہے۔ فلسفہ کیا ہے؟ اسلامی فلسفے کے شارحین، خاص طور پر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآنی تعلیمات کا مربوط فلسفہ کیا پیش کیا ہے؟ اس مقالے میں حضرت شاہ صاحبؒ اور امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم و معارف کی روشنی میں ان سوالات کا جواب ہے۔ اور قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں کے مطالعے کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کے بنیادی فلسفے کی وضاحت کی گئی ہے۔ گزشتہ شمارے میں ہم نے قرآن حکیم کی اولین سورت ''الفاتحہ'' کے مطالعے کی روشنی میں ان بنیادی اساسی اصولوں کا مطالعہ پیش کیا تھا، جن کی تفصیل وتشریح پورے قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے۔ یہ اصول قرآنی تعلیمات میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور ان پر ہی دین اسلام کے عملی نظام کا مدار ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی سماج کی بہترین تشکیل کے لیے جہاں بنیادی افکار ونظریات اور اصولوں کی نشان دہی کی ہے، وہاں ان کا جامع فلسفہ بھی واضح کیا ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں کے مطالعے سے قرآن حکیم کا مکمل فلسفہ سامنے آتا ہے۔

اس شمارے کا تیسرا مقالہ ''اسلام کا نظریۂ جنگ: مقاصد وضوابط'' کے عنوان سے ہے۔ اس مقالے کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ اسلام نے اپنے نظریۂ جنگ اور اس کے دائرۂ عمل سے متعلق قوانین کی بڑے واضح انداز میں رہنمائی دی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام وہ عناصر، جو انسانیت کے ہموار ارتقا میں رکاوٹ کھڑی کریں اور انسانی سماج میں منفی کردار ادا کریں، انھیں راستے سے ہٹانے کا طریقۂ جنگ اور اس کی حکمتِ عملی کیا ہے؟ اس کے مقاصد وضوابط کیا ہیں؟ اسے روبہ عمل لانے کے لیے بنیادی قواعد وقوانین کیا ہیں؟ اس مقالے میں قرآن و سنت اور فقہی دلائل کی روشنی میں انھی امور کی وضاحت کئی گئی ہے۔

اس شمارے سے ''شعور و آگہی'' اپنی اشاعت کے چوتھے سال میں داخل ہو رہا ہے۔ قارئین کی دلچسپی اور شائقین کی چاہت ہمارے اس شعوری سفر کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ احباب کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ ہمارا یہ سفر بغیر کسی تعطل اور رکاوٹ کے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کی زیرسرپرستی تادمِ زیست ''شعور و آگہی'' کی اس شمع کو فروزاں رکھنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے اور ہمارا یہ شعوری سفر زیادہ عمدہ طریقے سے آگے بڑھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور ہمت عطا فرمانے والا ہے۔ (مدیر اعلیٰ)

تاریخی سلسلۂ اسناد

برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل

''سبیل الرّشاد'' کا اردو ترجمہ

تصنیف و تالیف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

(5)

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد'' کے تیسرے حصے ''سبیل الرّشاد'' کا اُردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اس حصے میں ہندوستان کی تاریخ کے بارہ ادوار متعین کرتے ہوئے دینی علوم و معارف اور ان کے سیاسی اثرات و نتائج کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کی ہے۔ خاص طور پر آئمہ مجددین کے تجدیدی کردار کے مختلف پہلوؤں اور ان کے سلسلۂ اسناد کے تاریخی تسلسل کی وضاحت کی ہے۔ اور علوم و معارف کے میدان میں جن علمائے ربانیّین، محدثین، مفسرین اور بلند مرتبت سیاسی رہنماؤں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور تجدیدی کردار ادا کیا، اس کو پورے تسلسل اور تاریخی ترتیب کے ساتھ مولانا سندھیؒ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمے اور آٹھ اَقسام پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ''قِسم'' کے ذیل میں ابواب ہیں۔ اور ہر ''باب'' کے ذیل میں انواع کا تذکرہ ہے۔ اور پھر ہر ''نوع'' کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اختصار کے ساتھ اس کتاب میں ولی اللّٰہی مشائخ کے تاریخی تسلسل اور ان کے سلسلۂ سند کی وضاحت کی ہے۔ اور فقہا، محدثین، مفسرین، صوفیا، علمائے ربانیّین، فلاسفہ و حکما وغیرہ کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کا تسلسل بیان کیا گیا ہے۔ یوں یہ کتاب سینکڑوں علما و مشائخ اور مجتہدین کی سوانح کا مرقع ہے۔ اور ہندوستان میں اسلام کے غلبے کے تیرہ سو سال کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کرتی ہے۔

''سبیل الرشاد'' کی پہلی، دوسری اور تیسری ''قسم'' کا ترجمہ گزشتہ چار اقساط میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس شمارے میں چوتھے دور (412ھ/1021ء تا 542ھ/1147ء) اور پانچویں دور (542ھ/1147ء تا 790ھ/1388ء) پر مشتمل چوتھی اور پانچویں ''قسم'' کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جن میں ان دونوں ادوار کے علما، صوفیا، فقہا، محدثین اور فلاسفہ کی اسانید پیش کی جا رہی ہیں۔

چوتھی قسم؛ پانچویں دور 542ھ (1147ء) تا 790ھ (1388ء) کے علما کی اسانید

سلطان خسرو شاہ (1) غزنی سے آیا اور اس نے 542ھ (2) (1147ء) میں (عباسی خلیفہ ابوعبداللہ محمد) مقتفی لامراللہ (بن مستظہر باللہ) کے زمانۂ خلافت (12/ذی الحج 530ھ/ستمبر 1136ء تا 02/ربیع الاول 555ھ مارچ 1160ء) میں لاہور کو اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ پھر 582ھ (1186ء) میں لاہور سے غزنوی حکومت اور سلطنت ختم ہوگئی۔ اور اس پر غوری حکومت کا ایک وزیر حاکم بن گیا۔ (3)

سلطان شہاب الدین غوریؒ کی جدوجہد اور کوشش سے 589ھ (1193ء) میں دہلی فتح ہوا۔ پھر 602ھ (1205ء) میں ناصر لدین اللہ کے زمانۂ خلافت (ذی قعدہ 575ھ/ 1180 تا آخر ماہِ رمضان 622ھ/ 1225ء) میں سلطان قطب الدین (ایبک) دہلوی کی کوششوں سے ہندوستان میں مستقل حکومت کی بنیاد پڑی۔ (4)

ہندوستان کے سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین بلبن، (سلطان) ناصر الدین محمود، (سلطان) شمس الدین اَلتمش، (سلطان) علاؤالدین اسکندر اور سلطان ابوالمجاہد محمد عادل، دنیا کے بڑے سلاطین میں سے ہیں۔ ان سلاطین کی وجہ سے دہلی میں علم وصلاح کے حامل اتنے لوگ جمع ہوگئے کہ جن کی مثال مسلمان ممالک میں کہیں اور نہیں ملتی۔

اس دور (542ھ/ 1147ء تا 790ھ/1388ء) میں ہندوستان کی حکومت وسلطنت، خلافتِ اسلامیہ کے بعض حقوق کو تسلیم کرنے کے باوجود اپنے تمام اداروں میں ایک مستقل حکومت تھی۔ یہاں تک کہ 801ھ (دسمبر 1398ء) میں امیر تیمور (گورگان نے ہندوستان پر حملہ کیا اور) دہلی آیا۔ اس (تیموری انقلاب) نے ہندوستانیوں سے (خلافتِ اسلامیہ سے وابستگی کے رہے سہے) فکر اور تصور کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔ اس طرح ہندوستانی حکمرانوں نے قومی اور وطنی سیاست کے اصولوں سے اپنی وابستگی کا آغاز کیا۔

باب اول: مسلمانوں کی ذہنیت کی تجدید کرنے والے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

بالخصوص امام یوسف بن ایوب ہمدانی حنفی کے اصحاب کا تذکرہ

پہلی نوع: مجددین فقہا اور عارفین کے امام، سیدنا امام محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ کی اسانید

فصل (1): امام محی الدین (شیخ عبدالقادر جیلانی) قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہندوستان آنے والے حضرات کا تذکرہ

(1) (امام شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری قادریؒ)

ہندوستان میں امام (محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی) کی اولاد میں سے ہماری معلومات کے مطابق جس فرد نے سب سے پہلے ہندوستان میں سکونت اختیار کی، وہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری ہیں۔ آپؒ سید عبدالرحیم بن عبدالسلام بن امام عبدالوہاب بن امام محی الدین (شیخ عبدالقادر جیلانی) کے بیٹے ہیں۔ (5)

آپؒ سلسلۂ چشتیہ کے ائمہ میں سے بڑے امام تھے۔ آپؒ نے 690ھ (1291ء) میں وفات پائی۔

آپؒ نے شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے فیض حاصل کیا اور انھوں نے امام قطب الدین (بختیار) کاکی دہلویؒ سے اور انھوں نے ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی اور مؤسس امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح آپؒ نے ''مثنوی (رومی)'' کی تعلیم (خواجہ) قطب (الدین بختیار کاکی) دہلویؒ سے حاصل کی، اور انھوں نے (شیخ) شمس الدین رومیؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبداللہ رومیؒ سے، انھوں نے (کتاب کے مصنف شیخ) جلال الدین رومیؒ سے اُن کی کتاب کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ فریدالدین گنج شکر) اجودھنیؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اور امام محی الدین (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی اخذ و روایت کی ہے۔

(2) (شیخ محمد حلبی اُچی قادریؒ)

ان کے بعد 887ھ (1452ء) میں سلسلۂ قادریہ کے ائمہ میں سے ایک امام، شیخ محمد حلبی بن شمس الدین (نصر بن شاہ میر) بن علی بن مسعود بن (ابوالعباس) احمد بن صفی الدین بن امام عبدالوہاب بن امام عبدالقادر (جیلانیؒ، دریائے) سندھ کے (کنارے) ایک شہر ''اُچ'' میں تشریف لائے۔ آپؒ نے 922ھ (1516ء) میں وفات پائی۔ (6)

آپؒ کے بیٹے شیخ عبدالقادر ثانی بہت عظیم الشان امام تھے، جن کا انتقال 940ھ (1533ء) میں ہوا۔ امام محمد اُچیؒ کی اولاد اور آپ کے پیروکاروں سے سلسلۂ (قادریہ) بہت زیادہ پھیلا۔

(3) (سید اسماعیل بن سید ابدال لاہوری قادریؒ)

ان کے بعد سید اسماعیل بن سید ابدال بن نصر بن (محمد بن) موسیٰ بن عبدالجبار بن ابوصالح (نصر) بن عبدالرزاق بن امام محی الدین (جیلانی لاہوری) قدس سرہٗ ہندوستان کے شہروں (لاہور اور دہلی) سے ہوتے ہوئے (ایک شہر) ''رنتھنبور'' میں تشریف لائے۔ آپ بھی (سلسلۂ قادریہ کے) امام ہیں۔ آپ نے 994ھ (1585ء) میں وفات پائی۔ (7)

آپؒ سے ہندوستان کے مشائخ میں سے تین مشائخ نے فیض حاصل کیا:
[۱] شیخ محمد بن حسن بن طاہرؒ۔[۲] شیخ امان اللہؒ۔[۳] شیخ عبدالرزاقؒ ۔

(4) (سید شاہ قمیص قادری ساڈھورویؒ)

اسی زمانے میں سید شاہ قمیص بن ابوالحیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن امام عبدالقادر (جیلانیؒ، قادری ساڈھوروی) ہندوستان تشریف لائے۔ آپؒ نے 992ھ (1584ء) میں وفات پائی۔(8)

فصل (2): امام عبدالوہاب جیلانی بغدادیؒ کے واسطے سے میری اسناد کا ذکر

میں نے اپنے شیخ، سید العارفین، حافظ محمد صدیق (بھرچونڈی) سندھیؒ کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے۔ آپؒ نے مجھے ''ذکرِ جلی'' اور ''ذکرِ خفی'' کی تلقین فرمائی۔

پھر میں نے اپنے شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی صحبت اختیار کی اور میں نے اُن سے ''اشغال'' اور ''اذکار'' حاصل کیے۔

میں نے اپنے شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹی کی صحبت اختیار کی اور انھوں نے مجھے طریقت کے سلسلے کی دوسروں کو تلقین کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ دونوں حضرات ہمارے شیخ سید العارفین (حافظ محمد صدیق بھرچونڈی سندھیؒ) کے خواص اصحاب میں سے ہیں۔

ہمارے شیخ، سید العارفین (حافظ محمد صدیق بھرچونڈی سندھیؒ) نے سید محمد حسن لاہوری سندھیؒ سے سلسلے کا فیض حاصل کیا اور انھوں نے سلسلۂ راشدیہ (قادریہ) کے بانی امام محمد راشد حسینی (روضہ دھنی) سندھیؒ سے طریقت کا سلسلہ حاصل کیا ہے۔

اسی طرح میں نے شیخ امام رشیدالدین (پیر جھنڈا سوم) کی صحبت اختیار کی اور اُن سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تلقین حاصل کی، انھوں نے اپنے بھائی (شیخ) سید محمد فضل اللہ (پیر جھنڈا دوم) سے، ان دونوں نے اپنے والد (شیخ) سید محمد یٰسین (پیر جھنڈا اول) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) امام محمد راشد حسینی (روضہ دھنی سندھیؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) سید محمد بقا حسینی لکیاری سندھیؒ سے اور (شیخ) سید محمد بقاؒ نے ''شیر گڑھ'' میں مقیم (شیخ) سید عبدالقادر خامس سے، اور انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کے تسلسل سے امام عبدالقادر ثانی (اُچیؒ) سے فیض حاصل کیا۔ اس سلسلے کے بزرگوں کے نام اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں۔(9)

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ ابوالحسن جمال الدین) سید موسیٰ (پاک) شہیدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ سید) حامد (گنج بخش گیلانی) سے، وہ (اپنے والد شیخ) عبدالرزاق سے، وہ اپنے والد امام عبدالقادر

ثانیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد حلبی اُچیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) شمس الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) مسعودؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ ابوالعباس) احمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) صفی الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سیف الدین (سید) عبدالوہابؒ سے اور وہ اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ (10) سے روایت کرتے ہیں۔رضی اللہ عنہم۔ (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہو)

فصل (3): امام عبدالرزاق جیلانی بغدادیؒ کے واسطے سے میری اسانید

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے کلمہ توحید کی تلقین حاصل کی، انھوں نے روایت کیا ہے مولانا محمد قاسم دیوبندی سے، انھوں نے امیر امداداللہ تھانوی (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالرحیم (ولایت) شہیدؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید رحم علی (ساڈھورویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالحق سے، انھوں نے (شیخ) سید محمد غوثؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید ابومحمدؒ سے، انھوں نے (شیخ) شاہ محمدؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید قمیصؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید الیاس مغربیؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالحق مغربیؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید مولانا مغربیؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید احمد القدسؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالقادر رأسؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالوہابؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید موسیٰ سے، انھوں نے (شیخ) سید یحییٰ زاہدؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید زین الدینؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید امام عبدالرزاق (بغدادی جیلانیؒ) (11) سے اور انھوں نے اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔

امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) دہلویؒ اور شیخ ابوطاہر (کردی) مدنیؒ سے، اور یہ دونوں حضرات شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ سے اور وہ (شیخ) سید سعداللہ سلونی الہٰ آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) روایت کرتے ہیں مولانا شیخ عبدالغنی دہلویؒ سے، وہ شیخ اسماعیل رومی مدنیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد آفندیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) سید مرتضیٰ بلگرامیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محی الدین نورالحق بن عبداللہ حسینیؒ سے، وہ (شیخ) سید سعداللہ بن محمد ہندیؒ سے، وہ (شیخ) معمر شیخ عبدالشکور حسینیؒ سے، وہ (شیخ) مسعود اسفرائنیؒ سے، وہ شیخ علی حسینی سے، وہ شیخ جعفر احمد حسینی سے، وہ شیخ ابراہیم حسینی سے، وہ شیخ عبداللہ حسینی سے، وہ شیخ (امام) عبدالرزاق بغدادیؒ سے اور وہ اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالاحد سرہندیؒ سے اور وہ شیخ کمال (الدین) کیتھلیؒ (12) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں شیخ سکندر (کیتھلیؒ) سے، وہ اپنے دادا شیخ کمال (الدین کیتھلیؒ) سے، وہ (شیخ) سید فضیلؒ سے، وہ (شیخ) سید گدا رحمٰنؒ سے، وہ (شیخ) سید شمس الدین عارفؒ سے، وہ

(شیخ) سید گدا رحمٰن بن ابوالحسنؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین صحرائیؒ سے، وہ (شیخ) سید عقیلؒ سے، وہ (شیخ) سید بہاؤالدینؒ سے، وہ (شیخ) سید عبدالوہابؒ سے، وہ (شیخ) سید شرف الدین قتالؒ سے، وہ (شیخ) سید (امام) عبدالرزاقؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن خطیرالدین گوالیاریؒ سے، وہ شیخ حمیدؒ سے، وہ (شیخ) ہدایت اللہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین شطاریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالوہاب قادریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرؤف قادریؒ سے، وہ (شیخ) محمود قادریؒ سے، وہ (شیخ) علی حسینیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن احمد حسینی سے، وہ (شیخ) ابراہیم حسینی سے، وہ (شیخ) عبداللہ قادریؒ سے، وہ (شیخ امام سید) عبدالرزاق قادریؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالعزیز بن طاہر دہلویؒ، شیخ رکن الدین گنگوہیؒ اور شیخ نظام الدین کاکورویؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) سید ابراہیم بن معین الدین ایرجی دہلویؒ (13) سے، وہ شیخ بہاؤالدین جیندی شطاریؒ (14) سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوالعباس احمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حسنؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) موسیٰ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حسنؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابونصرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوصالح سے، وہ اپنے والد (شیخ امام) عبدالرزاق سے اور وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): (شیخ) شمس الدین حدادؒ (کے واسطے سے) اسانید

(شیخ) سید جلال الدین (سرخ بخاری کبیر) اُچیؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوالمکارم فاضلؒ سے، وہ شیخ قطب الدین ابوالغیثؒ سے، وہ شیخ شمس الدین علی افلحؒ سے، وہ شمس الدین حدادؒ سے اور وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ (قطب الدین) ابوالغیثؒ روایت کرتے ہیں قطب ابوالاشبال علی بن عمر اَہدلؒ سے اور وہ قطب سیدی محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ (ابن عربی) کی اسانید

امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر کردی (مدنیؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابراہیم کردیؒ سے، وہ (شیخ) احمد قشاشیؒ سے، وہ (شیخ) احمد شناویؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی بن عبدالقدوس شناویؒ سے، وہ (شیخ) امام عبدالوہاب شعراویؒ (شعرانی) سے، وہ (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین محمدؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین محمد بن محمد بن جزریؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن اُمیلہ مراغیؒ سے، وہ (شیخ) عز احمد بن ابراہیم فاروقیؒ سے اور

وہ امام (شیخ اکبر) محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ (ابن عربی) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے، وہ (شیخ) علی متقیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن بکریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین عامری غزیؒ سے، وہ (شیخ) عارف شریف الدین محمد بن زین الدین عثمانی مراغیؒ سے، وہ (شیخ) قطب اسماعیل بن ابراہیم ہاشمی جبرتیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن علی بن عمر وانیؒ سے اور وہ (شیخ اکبر) محی الدین ابن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) شمس (الدین) فناریؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) حمزہ فناریؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے، وہ (شیخ) محی الدین بن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (علامہ سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے، وہ علامہ قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ عارف صدرالدین قونویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (علامہ سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانیؒ سے، وہ علامہ قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) عارف صدرالدین قونویؒ سے اور وہ (شیخ اکبر) محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) علاؤالحق (بن اسعد لاہوری) بنگالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین (عثمان) اَوَدھیؒ سے، وہ سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سعدالدین حموی لاہوریؒ سے، وہ (شیخ اکبر) محی الدین ابن العربیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین یونس بن یحیٰی بن ابوالبرکات ہاشمیؒ سے اور وہ امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (کے واسطے سے) اسانید

امام جلال الدین حسینی بخاری اُچی (مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سید احمد کبیر بخاریؒ سے، وہ اپنے والد امامِ کبیر (شیخ) جلال الدین کبیر (سرخ) بخاری اُچیؒ سے، وہ امام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق ردولویؒ روایت کرتے ہیں شیخ جلال الدین پانی پتیؒ سے، وہ شیخ شمس الدین پانی پتیؒ سے، وہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابری قادریؒ سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے اور وہ امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی، امام (خواجہ) معین الدین

(چشتی) اجمیریؒ کی اسانید

فصل (1): شیخ نصیرالدین محمود ''سراجِ دہلی'' کی اسانید

(علامہ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ نے ''سُبحة المرجان'' میں لکھا ہے کہ:

''شیخ نصیرالدین محمود اور آپؒ کے اکثر خلفائے کرام ___ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور فرمائے ___ کا طریقۂ کار شریعت نبویہ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونا اور دینی علوم کی تدریس میں مشغول رہنا تھا۔

شیخ (نصیرالدین محمود) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: ''ایک شرعی مسئلے میں غور وفکر کرنا، ایسی ہزار رکعت سے افضل اور بہتر ہے، جن میں عُجب (اپنے آپ کو نیک سمجھنا) اور ریا کاری شامل ہو۔''

شیخ نصیرالدین محمودؒ کا انتقال 18/رمضان المبارک 757ھ (28/اگست 1356ء) کو اشراق کے وقت ہوا۔ آپ کی مرقدِ معطر (عطر خیز قبر) دہلی میں ہے۔'' انتھٰی (15)

ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ اور شیخ محمد خواجگیؒ دہلویؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ (16) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ فتح اللہ (بن نظام الدین صوفی) اَوَدھیؒ (17) روایت کرتے ہیں شیخ صدرالدین حکیم (احمد بن شہاب دہلویؒ) سے اور وہ امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقدوس گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن حکم اَوَدھیؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین اَوَدھیؒ سے، وہ (شیخ) سید محمد یوسف حسینی دہلویؒ سے اور وہ (شیخ) امام نصیرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): سلطان المشائخ، امام نظام الدین دہلویؒ کی اسانید

(سید غلام علی) آزاد بلگرامیؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ نصیرالدین (محمود) اور سلطان المشائخ نظام الدین بدایوانی دہلویؒ کے سچے خلیفہ اور ان کے سجادہ نشین تھے۔'' انتھٰی (18)

(شیخ) قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ، شیخ نصیرالدین محمود (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام علاؤالحق لاہوری ثم بنگالیؒ، شیخ سراج الدین (عثمان) اَوَدھیؒ (19) سے روایت کرتے ہیں۔

یہ دونوں حضرات سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ کی اسانید

ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندی (دولت آبادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ قاضی) عبدالمقتدر (دہلویؒ)

سے، وہ (شیخ) نصیرالدین (محمود دہلویؒ) سے، وہ (سلطان المشائخ) نظام الدین (دہلویؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) (20) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابدال احمد ردولویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین (محمود عثمانی) پانی پتیؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین (ترک) پانی پتیؒ (21) سے، وہ (شیخ) علاؤالدین (علی احمد صابر کلیریؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنی) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی متقیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالحکیمؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابن معزالدینؒ سے، وہ (شیخ) رحمت اللہؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عزیز اللہؒ سے، وہ (شیخ) رکن الدین مودود (چشتیؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام قطب الدین (خواجہ بختیار) کاکی دہلویؒ کی اسانید

امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ نظام الدین دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے اور وہ امام قطب الدین (بختیار کاکی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام سراج الدین (عثمان) اَوَدھیؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ (نظام الدین دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) کمال الدین زاہدؒ سے، وہ (شیخ) برہان محمود بلخی دہلویؒ سے اور وہ امام قطب الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام (خواجہ) معین الدین حسن حسینی (چشتی) اجمیریؒ کی اسانید

سلطان المشائخ امام نظام الدین دہلویؒ، امام علاؤالدین صابر کلیریؒ اور شیخ رکن الدین مودود چشتیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنی سے، وہ امام قطب الدین دہلویؒ سے اور وہ شیخ الاسلام، امام (خواجہ) معین الدین (حسن حسینی) چشتی اجمیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع: امام ابونجیب عبدالقاہر سہروردی بغدادیؒ کی اسانید

فصل (1): امام نجم الدین کُبریٰ کی اسانید

امیر (کبیر سید) علی ہمدانی کشمیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شرف الدین محمود عبداللہ مرزوقانیؒ اور شیخ تقی الدین علی دوستی سمنانیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام الدولہ احمد بن محمد بن سمنانیؒ سے، وہ شیخ آذر الدین عبدالرحمٰن اسفرائنیؒ سے، وہ شیخ جمال الدین احمد جوزقانیؒ سے، وہ شیخ رضی الدین علی لالا غزنویؒ سے، وہ شیخ نجم الدین (کبریٰ) ابوالجناب احمد بن عمر بن محمد خوارزمی امام شہیدؒ (22) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ روایت کرتے ہیں شیخ حمیدؒ سے، (شیخ) وہ ہدایت اللہؒ سے، وہ (شیخ)

علاؤالدین شطاریؒ سے، وہ (شیخ) علی بدایوانیؒ سے، وہ (شیخ) کریم الدین اوَدھیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین اوَدھیؒ سے، وہ امام احمد بن یحییٰ مُنیریؒ سے، وہ (شیخ) نجیب الدین فردوسی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) رکن الدین فردوسی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) بدرالدین سمرقندی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور وہ (شیخ) امام نجم الدین کُبریٰؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ملک العلما (شیخ) شہاب (الدین) ہندی (دولت آبادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قاضی عبدالمقتدر (دہلویؒ) سے، وہ شیخ نصیرالدین (محمود دہلویؒ) سے، وہ سلطان المشائخ نظام الدین (دہلویؒ) سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) سے، وہ (شیخ) سعدالدین حمویؒ اور (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام نجم الدین کبریٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ (سید شریف) علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین عطارؒ سے، وہ (شیخ خواجہ) بہاؤالدین نقشبندؒ سے، وہ (شیخ) سلطان الدینؒ سے، وہ شیخ احمدؒ سے، وہ (شیخ) کمال حیدریؒ سے اور وہ امام نجم الدین کبریٰ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام شہاب الدین سہروردیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام جلال الدین بخاری اُچی (مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ سے، وہ شیخ الاسلام صدرالدین عارف (ملتانیؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام سید جلال الدین بخاری (اچی مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سید احمد کبیرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سید جلال الدین کبیر بخاری اُچیؒ سے، وہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا (ملتانیؒ) سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں شیخ سعدالدین حمویؒ سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام ابو النجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کی اسانید

امام نجم الدین کبریٰ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمار بن یاسرؒ سے اور وہ امام ابو النجیب (عبدالقاہر) سہروردیؒ (23) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام شہاب الدین سہروردیؒ روایت کرتے ہیں اپنے چچا امام ابو النجیب عبدالقاہر سہروردیؒ سے

روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع: طریقۂ نقشبندیہ کے بانی اول امام عبدالخالق غجدوانیؒ تک اسانید

امام بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) امیر کلال بخاریؒ (24) سے، وہ شیخ معمر (خواجہ بابا) محمد سماسیؒ (25) سے، وہ شیخ علی رامیتنیؒ (26) سے، وہ شیخ ابوالخیر فغنویؒ (27) سے، وہ شیخ عارف ریوگریؒ (28) سے اور وہ امام (خواجہ) عبدالخالق بن عبدالجلیل غجدوانیؒ (29) سے روایت کرتے ہیں۔

پانچویں نوع: امام ابومدین شعیب بن حسن مغربیؒ کی اسانید

فصل (1): (شیخ) حافظ ابوعبداللہ جلاسؒ کی اسانید

قطب اسماعیل جبرتیؒ روایت کرتے ہیں شیخ فجائیؒ سے، وہ (شیخ) برہان الدین علویؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس احمد بن ابراہیمؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل قاسم بن سعد بن محمدؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ ابوعبداللہ بن یوسف جلاسؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): (شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائی (حنفیؒ) کی اسانید

(شیخ) سعید جزائریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعید مقریؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن حجی وہرانیؒ سے، وہ شیخ الاسلام ابراہیم تازیؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن محمد زواویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مخلصؒ سے، اور وہ (شیخ علاؤالدین) حافظ مغلطائی بن قیلج حنفیؒ (30) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ کی اسانید

(شیخ) حافظ ابوعبداللہ جلاسؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر محمد بن یوسف بن سدی ازدیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن ابوجعفر خزاعیؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ (31) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبداللہ عربانیؒ سے، وہ شیخ جماعتؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد باجوریؒ سے، وہ (شیخ) قطب ابومحمد صالحؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) اسماعیل جبرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن عمروانیؒ سے، وہ (شیخ) محی الدین محمد بن علی بن عربی شیخ اکبرؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل انواع بابِ اوّل: امام ابو یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ کی اسانید

امام شہاب الدین سہروردیؒ اور امام ابومدین شعیب (بن حسن) مغربیؒ دونوں حضرات، امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ سے اور وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (32) سے روایت کرتے ہیں۔

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیری حنفیؒ روایت کرتے ہیں شیخ الامام، امام زادہ محمد بن ابوبکر بخاری حنفیؒ سے اور وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ اپنی حنفی اساتذہ کی مسلسل اسناد کے ساتھ امام عبدالخالق بن عبدالجمیل غجدوانی حنفی سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام یوسف بن ہمدانی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

باب (2): (شیخ) برہانِ کبیر بخاریؒ کے اصحاب میں سے مذہب حنفی کے اہم مجتہدین فقہا اور محدثین کی اسانید

پہلی نوع: امام، مجتہد، شیخ الاسلام (شیخ) علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ ''صاحبِ ہدایہ'' کی اسانید

فصل (1): امام جلال الدین کرلانیؒ کی اسانید

(شیخ) بدرالدین عینیؒ، (شیخ) سراج الدین ''قاریٔ ہدایہ''، (شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ اور (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائیؒ چاروں روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانی کا فیجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن شہاب خافیؒ سے اور وہ (شیخ) عبدالاوّل مرغینانی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ الدین بزازیؒ سے، وہ اپنے والد سے اور یہ دونوں (شیخ عبدالاول اور والد حافظ بزازیؒ) حضرات (امام) جلال الدین کرلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام عبداللہ بن حجاج کاشغری (جمالؒ) کی اسانید

(شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن عثمان کلوثائیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی بن ضرغامؒ سے اور وہ (امام عبداللہ بن حجاج) کاشغری جمالؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن ابراہیم مرشدیؒ، (شیخ) محمد بن علی قرشی مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوالبقا اور (شیخ) ابوحامد دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ سے، وہ

(شیخ) محمد بن علی قرشیؒ سے اور وہ (شیخ امام) عبداللہ بن حجاج کاشغری (جمالؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام، حافظ، قطب الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور حلبیؒ کی اسانید

(شیخ) ابوحامد محمد بن احمد بن ضیا عمری مکیؒ اور (شیخ) ابوالبقا محمد بن احمد بن ضیا عمری مکیؒ دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ سے، وہ دو حضراتِ علامہ (شیخ) محی الدین عبدالقادر بن محمد قرشی مکی حافظؒ اور (شیخ) شمس الدین محمد بن علی بن محمد قرشی مکی حافظؒ سے، اور یہ دونوں حضرات (شیخ) قطب عبدالکریم بن محمد بن محمد بن عبدالنور حلبی حافظؒ (33) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) جمال محمد بن ابراہیم مرشدیؒ اور (شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین عمر بن اسحاق ہندیؒ (34) سے اور وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم) حلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد قاسم بن قطلو بغا حافظؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محی الدین عبدالقادر بن محمد (قرشی) حافظؒ سے اور وہ قطب الدین (شیخ عبدالکریم) حلبی حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) سراج (الدین عمر بن اسحاق) ہندیؒ سے اور وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن محمد بن عبدالنور) حلبی حافظ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ کی اسانید

(شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالکریم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) برہان بلغاریؒ سے، وہ (شیخ) عزالدین محمد بن محمد خبازیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ (35) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس فناریؒ، (شیخ ابوالولید) ابن شحنہؒ، (علامہ سید شریف) علی جرجانیؒ، (شیخ جمال محمد بن ابراہیم) مرشدیؒ اور (شیخ عزالدین) ابن فراتؒ پانچوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد کاکیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ، (شیخ) عبدالاول مرغینانیؒ اور (شیخ) محمد بن شہاب بزازیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (4): امام حسام الدین حسین بن علی سغناقیؒ کی اسانید

(شیخ) شمس فناریؒ، (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ، (علامہ سید شریف) علی جرجانیؒ، (شیخ) جمال (محمد بن ابراہیم)

مرشدیؒ اور (شیخ عزالدین) ابن فراتؒ پانچوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد سنجاری کاکیؒ سے اور وہ امام حسین بن علی سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ، ابوالوقت (عبدالاول) مرغینانیؒ اور (شیخ) محمد بن شہاب بزازیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام حسام الدین (حسین) سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جمال محمد (بن ابراہیم) مرشدیؒ، (شیخ) احمد بن ضیا عمری (مکیؒ) اور (شیخ) احمد بن عثمان کلوثانیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن علی قرشی مکیؒ اور (شیخ) محمد بن علی بن ضرغامؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) عبداللہ بن حجاج کاشغریؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ سعدالدین (مسعود) تفتازانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن ابوطالب حجار کاشغریؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) بدرالدین عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عیسیٰ بن خاص سرماریؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین کساریؒ اور (شیخ) تاج کردیؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام حسام الدین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ، (شیخ) یوسف بن موسیٰ ملطیؒ، (شیخ) جلال بتالیؒ اور (شیخ) محمد بن علی حریریؒ چاروں حضرات روایت کرتے ہیں (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے اور وہ امام حسام الدین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): حافظ ابوالعلا امام محمود بن ابوبکر کلاباذی فرضیؒ کی اسانید

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشی حافظؒ سے، وہ (شیخ) قطب حلبی حافظؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ ابوالعلا محمد بن ابوبکر کلاباذی، بخاری، فرضی سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: (شیخ) ابوالحسنات (مولانا عبدالحیؒ) لکھنویؒ نے ''الفوائد البھیہ'' میں لکھا ہے:

امام ذہبی نے ''مشتبہ النسبت'' میں ''فرضی'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''حافظ ابوالعلا محمود بن ابوبکر کلاباذی بخاری فرضیؒ، بڑے امام اور مصنف ہیں۔ اور علم الفرائض میں سربرآوردہ شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حدیث اور اسماء الرجال کے بڑے عالم ہیں۔ اور ''مرأۃ الجنان'' میں لکھا ہے کہ:

''حافظ ابوالعلا محمود بن ابوبکر بخاری صوفی علم فرائض کے امام تھے۔'' انتہٰی (36)

امام ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بھی کیا ہے۔

فصل (6): امام حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری کبیرؒ کی اسانید

(امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن اسعد بخاریؒ اور (شیخ) ابراہیم بن احمد

عقیلیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ، امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ اور امام محمود بن ابوبکر کلاباذیؒ سے، اور یہ تینوں حضرات امام حافظ الدین کبیر (بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): (شیخ) ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ کی اسانید

(شیخ) عز (الدین) بن فرات، (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوالبقا (محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ) اور (شیخ) ابوحامد (محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا عمریؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوالبرکات عبداللہ نسفی کا کیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام جلال الدین) کرلانی، (عبداللہ بن حجاج) کاشغری، (شیخ شمس الدین) کساریؒ، (شیخ تاج) کردریؒ اور (امام قوام الدین امیر کاتب) اتقانیؒ سے، یہ چھ حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ سے اور وہ ابوالبرکات (عبداللہ بن احمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): (شیخ) امام حمیدالدین ضریرؒ کی اسانید

(امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن اسعد بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین علی بن محمد بن محمد ضریر رامشی بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ اور (شیخ) جمال (الدین محمد بن ابراہیم) مرشدیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج ہندیؒ سے، وہ (شیخ) وجیہ الدین دہلویؒ، ملک العلما (شیخ) سراج ثقفی دہلویؒ، (شیخ) رُکن الدین بدایونیؒ اور (شیخ) شمس الدین خطیبؒ سے، یہ چاروں حضرات (شیخ) شرف الدین ابوالقاسم تنوخیؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین ضریرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ روایت کرتے ہیں امام محمود کلاباذیؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین ضریرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): امام محمد بن محمد بن الیاس مایمرغیؒ کی اسانید

(امام علاؤالدین علی) سیرامیؒ (امام جلال الدین) کرلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام اکمل الدین محمد بن محمد) بابرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ محمد بن محمد) کا کیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ اور امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ سے اور یہ دونوں حضرات دوسرے (امام عبدالعزیز) کے چچا امام محمد بن محمد بن الیاس مایمرغیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (10): شمس الائمہ محمد بن عبدالستار بن محمد کردریؒ کی اسانید

(شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے، وہ (شیخ، سلطان المشائخ) نظام الدین دہلویؒ سے، وہ (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور وہ شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس احمد بن علی ساعاتیؒ سے، وہ امام ظہیرالدین محمد بن عمر نوجاباذیؒ سے اور وہ شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حافظ الدین کبیرؒ، امام ابوالبرکات نسفیؒ، امام حمیدالدین ضریرؒ اور امام محمد مایمرغیؒ، چاروں حضرات شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (11): امام نظام الدین ابوحفص عمر مرغینانیؒ کی اسانید

(شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین احمد فرغانیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) حسام الدینؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباغؒ سے، وہ امام حسن بن صغانی لاہوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے، وہ سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین زاہدؒ سے، وہ (شیخ) محمود بن اسعد بلخی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) حسن صغانی لاہوریؒ سے اور وہ امام ابوحفص (عمر) مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (12): شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانیؒ متوفی 593ھ (1166ء) کی اسانید

امام حافظ الدین کبیر، امام ابوالبرکات (نسفیؒ)، امام حمیدالدین (ضریرؒ)، امام فخرالدین محمد مایمرغیؒ، امام محمد بن عمر ظہیرالدینؒ اور امام سیف الدین (باخرزیؒ، چھ حضرات) روایت کرتے ہیں شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے اور وہ شیخ الاسلام علی (بن ابوبکر) مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسن صغانی لاہوریؒ روایت کرتے ہیں امام ابوحفص عمر مرغینانیؒ سے اور وہ اپنے والد امام، شیخ الاسلام علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: امام حسن بن منصور قاضی خان اوزجندیؒ کی اسانید

فصل (1): امام علی بن عثمان ابن مصطفیٰ ترکمانیؒ کی اسانید

(شیخ) حافظ عز (الدین) بن فرات روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ اسماعیل بن ابراہیم) کنانیؒ سے، اور یہ دونوں (حافظ عز الدین اور شیخ کنانی) حضرات (شیخ) حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ سے اور وہ (امام) حافظ علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں اسماعیل بن ابراہیم کنانیؒ سے اور وہ امام علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیا عمریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے اور وہ امام علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام عثمان بن مصطفیٰ ترکمانیؒ کی اسانید

(شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین قونویؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین اسماعیل بن خلیلؒ سے اور وہ (امام) عثمان بن مصطفیٰ ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محی الدین عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال الدین عبداللہ زیلعیؒ سے اور وہ (امام) علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام صدرالشریعہ عبیداللہ بخاریؒ کی اسانید

(شیخ) حامی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابونصر بن محمد حافظیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد طاہریؒ سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاری) سے روایت کرتے ہیں۔

(علامہ ابراہیم) کرکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) امین الدین یحییٰ اقصرائیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد حافظیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد طاہریؒ سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ بدرالدین محمود) عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمر ازرنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ازرنجانیؒ) سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علا بخاریؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے اور وہ اپنے اسناد کے ساتھ امام صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام ابوالعباس احمد بن ابراہیم سروجیؒ کی اسانید

(شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشیؒ سے، وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن

عبدالنور) حلبیؒ سے اور وہ (امام) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیا (مکیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشیؒ اور (شیخ) احمد بن عثمان ترکمانیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) علی بن عثمان ترکمانیؒ اور اُن کے والد (شیخ) عثمان (ترکمانیؒ) سے اور یہ دونوں حضرات (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علا بخاریؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے اور وہ اپنی اسناد کے ساتھ ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام جمال الدین حصیری بخاریؒ کی اسانید

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن محمد بن محمود زوزنیؒ سے اور وہ (شیخ) جمال الدین محمود حصیریؒ بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تقی الدین یوسفؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) رشیدالدین اسماعیل بن عثمان قرشیؒ سے اور وہ (امام جمال الدین) حصیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ اور (شیخ) ابوالعلا محمود کلاباذیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سلیمان بن وہبؒ اور (شیخ) محمد بن عباد خلاطیؒ سے اور یہ دونوں حضرات (امام) جمال الدین حصیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام صدرالشریعہ عبیداللہ بن ابراہیم محبوبیؒ کی اسانید

صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاری روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد صدرالشریعہ احمد بن عبیداللہؒ سے اور وہ اپنے والد صدرالشریعہ اکبر عبیداللہ (محبوبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسین سغناقیؒ، امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام محمود کلاباذیؒ تینوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیر بخاریؒ سے اور وہ امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (6): (امام یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ) کی اسانید

امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی روایت کرتے ہیں امام زادہ محمد بن ابوبکر بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) عارف یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): امام فخرالدین حسن بن منصور قاضی خانؒ کی اسانید

(شیخ) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ اور (شیخ) ابوالعلا کلاباذیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سلیمان

بن وہبؒ اور (شیخ) محمد بن عباد (خلاطیؒ) سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) جمال الدین محمود حصیری بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) فخرالدین قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حافظ الدین کبیرؒ، امام ابوالبرکات (نسفیؒ)، امام حمیدالدین (ضریرؒ)، امام فخرالدین محمد مایمرغی، امام ظہیرالدینؒ اور امام سیف الدین (باخرزیؒ) چھ حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے اور وہ امام حسن بن منصور قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام صدرالشریعہ اوسط احمد بن عبیداللہؒ اور امام حافظ الدین کبیرؒ دونوں روایت کرتے ہیں شمس الائمہ محبوبیؒ سے اور وہ امام حسن بن منصور قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع: ملک العلما (شیخ) ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانیؒ کی اسانید

فصل (1): (امام) حافظ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج بکجریؒ کی اسانید

(شیخ) جمال محمد بن ابراہیم مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسماعیل بن ابراہیم کنانیؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ علاؤالدین مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (1): (حافظ مغلطائی سے شوافع کی اسانید)

(شیخ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ ابراہیم بن حسین عراقیؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابراہیم نازی مغربیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) صالح بن محمد زواویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مخلصؒ سے اور وہ حافظ (علاؤالدین) مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھیؒ) کہتا ہوں کہ: (امام) مغلطائیؒ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے (حدیث میں) صحیح کتاب (امام) مالک (بن انسؒ) نے تصنیف کی۔''

اور امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (37)

فصل (2): (شیخ) عمر بن احمد بن عدیم حلبیؒ کی اسانید

(شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائی (بن قلیج بکجریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن عمر ختنیؒ سے اور وہ (شیخ) عمر بن احمد عدیم (حلبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حافظ عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن عمر ختنیؒ سے اور وہ (شیخ) عمر بن احمد بن عدیم (حلبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): ملک العلما (امام ابوبکر بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ کی اسانید

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیمؒ روایت کرتے ہیں محمد بن یوسف بدر ابیض قاضی عسکرؒ سے اور وہ امام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (3): (امام علاؤالدین سمرقندیؒ اور شیخ میمون مکحولیؒ کی اسانید)

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یوسف بدر ابیضؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) یوسفؒ سے، وہ (شیخ) علی بن حسن برہان بلخیؒ سے اور (شیخ) بدر ابیضؒ سے، وہ ملک العلما (امام) ابوبکر کاسانیؒ سے اور وہ امام علاؤالدین محمد بن احمد سمرقندیؒ اور (شیخ) ابومعین میمون مکحولیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع: امام، صدرالاسلام طاہر بن محمود بن احمد بن عبدالعزیز (بن) عمر بن مازہ بخاریؒ کی اسانید

حافظ ابن حجر (عسقلانی) شافعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوہریرہ بن ذہبی شافعیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن محمد جوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم محمد بخاری حنفیؒ سے، وہ امام جمال الدین محمد بن اسعد بخاری حنفیؒ سے اور وہ امام صدرالاسلام طاہر بن محمود بن صدرالسعید بن برہانِ کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تکملہ انواعِ باب (2): برہانِ کبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہ بخاریؒ کی اسانید

امام علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدرالسعید تاج الدین احمدؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسن بن منصور قاضی خانؒ روایت کرتے ہیں ظہیرالدین حسن بن علیؒ سے اور وہ اپنے والد ظہیر کبیر امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام علاؤالدین ابوبکر کاسانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ ابومعین) میمون مکحولؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد قلانسؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن عثمان سمرقندیؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام صدرالاسلام طاہر روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمودؒ سے، وہ اپنے والد صدرالسعید احمدؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

باب (3): تحصیل، اصول (فقہ)، جدال (مناظرہ) اور فلسفہ کے علوم وفنون کے

اہم رہنماؤں کی اسانید

پہلی نوع: امام ابومنصور ماتریدیؒ کے متبعین کی اسانید

اصولِ فقہ کے ائمہ کے بارے میں چند فصلیں

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

ہم نے گزشتہ ابواب میں اصولِ (فقہ) کے درجِ ذیل اماموں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔

1۔ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ، جو اپنی کتاب ''اصولِ فقه'' میں ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔

2۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ)، جنھوں نے اپنی بعض امالی میں اپنے مسلک کو واضح کیا ہے۔

3۔ امام ولی اللہ دہلویؒ، جنھوں نے ''حجة الله البالغه'' کے ایک باب میں اصولِ فقہ کا تعین کیا ہے۔

4۔ بحرالعلوم علامہ عبدالعلی لکھنویؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ کی کتاب) ''مسلّم الثبوت'' کی شرح کی ہے۔

5۔ امام علامہ نظام الدین لکھنویؒ، جنھوں نے ''مسلّم الثبوت'' کی شرح لکھی ہے۔

6۔ علامہ محبّ اللہ بہاریؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر ایک کتاب) ''مسلّم الثبوت'' لکھی ہے۔

7۔ ملک العلما شہاب الدین ہندیؒ، جنھوں نے امام فخرالاسلام کے ''اصولِ (بزدوی)'' کی شرح کی ہے۔

8۔ امام کمال الدین ابن ہمامؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''تحرير الاصول'' لکھی ہے۔

9۔ شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''فصول البدائع'' لکھی ہے۔

10۔ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''التلويح'' لکھی ہے۔

فصل (1): امام صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاری مصنف ''التوضیح'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین عینی سے، وہ (شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمر ارزنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ارزنجانیؒ) سے اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ بدرالدین) عینیؒ سے، وہ سیرامیؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے، وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام صدرالشریعہ عبیداللہ (بن مسعود) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام امیر کاتب اتقانی مصنف ''تبیین شرح منتخب حسامی'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین عینیؒ سے، وہ (شیخ) جبرائیل بن صالح

بغدادی سے اور وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے اور وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام عبدالعزیز بخاریؒ مصنف ''التحقیق شرح الحسامی'' اور ''الکشف شرح فخر الاسلام'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین قاری الہدایہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے، وہ (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد کاکیؒ سے اور وہ (امام) عبدالعزیز بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام حسین بن علی سغناقیؒ مصنف ''الکافی شرح البزدوی'' اور ''شرح التمهید للمکحولی'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین قاری الہدایہؒ سے، وہ علاؤ (الدین علی) سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ سے اور وہ (امام قوام الدین امیر کاتب) اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوالولید) ابن شحنہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ اکمل الدین) بابرتیؒ سے، وہ (محمد بن محمد) کاکیؒ سے، اور یہ دونوں حضرات (اتقانی اور کاکی) امام (حسین بن علی) سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام حسام الدین محمد بن عمر اخسیکثیؒ مصنف ''مختصر حسامی'' کی اسانید

امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام حسین سغناقیؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیرؒ سے اور وہ امام حسام الدین اخسیکثیؒ (38) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا عمریؒ سے، وہ (شیخ) مسعود کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس ساعاتیؒ سے اور وہ امام (حسام الدین محمد بن عمر) اخسیکثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام الاصولیین فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ کی اسانید

امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام حسین سغناقیؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیرؒ سے، وہ (شیخ) ابوحفص عمر نسفیؒ سے، وہ امام فخر الاسلام (علی بن محمد) بزدویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں: عربی ادب کے ائمہ کی اسانید

فصل (1): امام سراج الدین یوسف بن محمد سکا کی مصنف ''مفتاح العلوم'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدر (الدین) عینیؒ سے، وہ (شیخ) عیسیٰ بن خاص سرماریؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن اردبیلیؒ سے، وہ (شیخ) نظام حسین بن محمد طوسیؒ سے وہ (شیخ) شہاب خوائیؒ سے اور وہ (شیخ) ابویعقوب یوسف (بن محمد) سکا کی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام ابوالقاسم محمود بن عمر (جاراللہ) زمخشریؒ کی اسانید

(شیخ ابویعقوب یوسف) سکا کیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سدید حناطیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن محمد عمرانیؒ سے اور وہ (شیخ) جاراللہ (محمود بن عمر) زمخشریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام حسین بن علی) سغناقی روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ الدین کبیرؒ سے، وہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے، وہ (شیخ) ناصر بن عبدالسید مطرزیؒ سے، وہ (شیخ) موفق احمد بن محمد مکیؒ سے اور وہ (امام ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ) زمخشری سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں: جدل (علم الکلام) اور تحصیل کے ائمہ کی اسانید

فصل (1): امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی مصنف ''العمدۃ و الإعتماد'' کی اسانید

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبؒ (الدین ابوالولید) ابن شحنہؒ سے، وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے، وہ امام حسین بن علی سغناقیؒ سے اور وہ (امام ابوالبرکات عبداللہ) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (1): (شیخ) برہان محمد بن محمد بن محمد نسفیؒ مصنف ''عقائد نسفیہ'' اور ''تلخیص التفسیر الکبیر'' وغیرہ کی اسانید

(شیخ) جمال مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن محبّ مقدسیؒ سے، وہ (شیخ) قاسم بن محمدؒ سے اور وہ (شیخ) برہان (محمد بن محمد بن محمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام ابوحفص عمر نسفیؒ مصنف ''العقیدہ'' اور ''الجواھر'' کی اسانید

شیخ الاسلام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ روایت کرتے ہیں شیخ عثمان ہارونیؒ سے اور وہ امام ابوحفص عمر نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام ابومعین میمون بن محمد نسفی مصنف ''التمھید لقواعد التوحید'' اور ''تبصرۃ الأدلّۃ'' متوفی 508ھ (1114ء) کی اسانید

شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام مرغینانیؒ سے، وہ ضیاء الدین نبدیجیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) ابومعین (میمون بن محمد) نسفی سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیم روایت کرتے ہیں محمد بن یوسف بدر ابیض (قاضی عسکرؒ) سے، وہ امام ابوبکر کاسانیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤ (لدین) سمرقندی سے اور وہ ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام الدنیا فی الجدال، امام عبدالعزیز بن عثمان نسفیؒ، مصنف ''المنقذ من الزلل فی مسائل الجدل'' اور ''الفحول فی الاصول'' کی اسانید

ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن محمد بن نصر قلانسؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز بن عثمان بن ابراہیم نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): ''علم الخلافیات'' کے بانی امام ابوزید عبیداللہ بن عمر دبوسیؒ مصنف ''الأسرار''، ''تقویم الأدلّۃ'' کی اسانید

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر) مرغینانیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) زاہد بخاریؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن عبدالرحمٰن ریغذ مونیؒ سے اور وہ امام ابوزید (عبیداللہ بن عمر) دبوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی نوع کی فصلوں کا خاتمہ: امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ کی اسانید

میں (عبیداللہ سندھیؒ) کہتا ہوں کہ: وہ (امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ) ''تاویلات القرآن و بیان

وهم المعتزلة''، ''(كتاب) المقالات'' اور ''كتاب التوحيد'' وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

(امام محمود بن سلیمان) کفویؒ کہتے ہیں:

آپؒ متکلمین کے امام ہیں۔ مسلمانوں کے عقائد کی تصحیح کرنے والے ہیں۔ آپ نے بہت عمدہ تصانیف لکھیں اور باطل عقائد رکھنے والے لوگوں کے جھوٹے اقوال کا رد کیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں ''كتاب التوحيد''، ''كتاب المقالات'' اور ''كتاب اوهام المعتزله'' ہیں۔ آپ نے ابو محمد باہلی کی کتاب ''اصولِ خمسه'' کا ردّ کیا ہے اور بعض رافضیوں کے نظریۂ امامت کا ردّ کیا ہے۔ اور قرامطہ (کے عقائد) کا رد کیا ہے۔ آپ کی تصانیف فقہ میں شریعت کا ماخذ ہیں اور اصولِ فقہ وغیرہ میں علم کلام کے حوالے سے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے 333ھ (944ء) میں وفات پائی۔'' انتھیٰ (39)

امام ابو حفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ اور اُن کے بھائی ابو الیسر صدر الاسلام محمد بن محمد بزدویؒ سے، وہ دونوں اپنے والد (شیخ) محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے اور وہ امام ابو منصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابو حفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں امام ابو السیر محمد بن محمد بزدویؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن عبدالصادق بن عبداللہ خطیبؒ سے، وہ (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ اور وہ امام ابو منصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابو معین (میمون بن محمد) نسفیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن محمد بن نصر بن محمد قلانسؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) نصر بن محمد قلانسؒ سے اور وہ امام ابو منصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امام طاہر بن محمودؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن برتویؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن احمد مستملیؒ سے، وہ (شیخ) عارف ابوبکر محمد بن اسحاق کلاباذیؒ سے، وہ (شیخ) فارس علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) اسحاق بن محمد حکیم سمرقندیؒ سے اور وہ امام ابو منصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: امام ابو الحسن اشعری کے متبعین کی اسانید

فصل (1): امام قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ کی اسانید

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں راویت کرتے ہیں (شیخ) بدر الدین عینیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے، وہ (شیخ) قاضی عبدالرحمٰن ایجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ (شیخ) سعد الدین (مسعود) تفتازانیؒ علامہ (شیخ) عضد الدین ایجیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) قاضی شہاب الدین (دولت آبادی) ہندیؒ راویت کرتے ہیں مولانا (شیخ) محمد خواجگی دہلویؒ سے، وہ مولانا (شیخ) معین الدین عمرانی دہلویؒ سے، وہ علامہ (شیخ) عضد الدین ایجیؒ سے، وہ شیخ زین الدین ہنکیؒ

سے اور وہ (امام) قاضی ناصر الدین (عبداللہ بن عمر) بیضاویؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام فخر الدین رازیؒ (606ھ/ 19/ مارچ 1210ء) کی اسانید

(امام) قاضی (ناصر الدین عبداللہ بن عمر) بیضاوی راویت کرتے ہیں (شیخ) تاج محمد بن حسین ارمویؒ (40) اور (شیخ) صفر ارمویؒ کے شاگردوں سے، وہ (شیخ) تاج ارمویؒ اور (شیخ) صفر ارمویؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام فخر الدین رازیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) علاؤ الدین اسود حنفیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن ابوبکر بن احمد ارمویؒ سے اور وہ امام (فخر الدین) رازیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس فناریؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) جمال الدین بن؟؟ محمد بن محمد بن فخر الدین اقصرائی حنفیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد بن فخر الدین حنفیؒ سے اور وہ اپنے دادا امام فخر الدین رازی شافعیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ:

''غزنی کے حکمران (سلطان) شہاب الدین غوری نے امام رازیؒ سے کچھ مالی معاملہ کیا تو انھوں نے اس کا پورا حق ادا کیا۔ اس پر (شہاب الدین غوری) نے اُن کا بڑا اِکرام کیا اور انھیں اس کی طرف سے بہت زیادہ مال حاصل ہوا۔'' انتھٰی (41)

فصل (3): امام ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ کی اسانید

(شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) ابواسحاق ابراہیم بن احمد تنوخیؒ سے، وہ (شیخ) سلیمان بن حمزہؒ سے، وہ (شیخ) عمر دینوریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن احمد عبدالقادرؒ سے اور وہ امام ابوحامد (محمد بن محمد) غزالیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محبّ بن ظہیرہؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل عبدالرحیم عراقیؒ سے، وہ (شیخ) علا بن عطارؒ سے، وہ امام یحییٰ بن شرف نوویؒ سے، وہ (شیخ) کمال اربلیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمدؒ سے، وہ (شیخ) عبدالغفار قزوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاجم رافعیؒ سے، وہ امام محمد بن فضلؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن یحییٰ نیشاپوریؒ سے اور وہ حجۃ الاسلام (شیخ) ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام اہل سنت ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ کی اسانید

امام فخر الدین رازیؒ راویت کرتے ہیں اپنے والد امام ضیاء الدین عمر رازیؒ سے، وہ (شیخ) امام ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاریؒ سے، اور وہ امام الحرمین، عبدالملک بن عبداللہ جوینی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ راویت کرتے ہیں امام الحرمین عبدالملک جوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم اسکافؒ سے، وہ امام ابواسحاق شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ راویت کرتے ہیں محمد بن ابوبکر بخاریؒ سے، وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ امام ابواسحاق شیرازیؒ سے، وہ شیخ ابوالحسن باہلیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن اشعریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

تیسری نوع: فلسفہ اشراقیہ اور مشائیہ کے اہم رہنماؤں کی اسانید

فصل (1): علامہ قطب الدین شیرازی ''جامع بین المسلکین'' کی اسانید

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں امام ابوالفیض عبدالرحیم بن وجیہ (الدین) دہلویؒ سے، وہ علامہ (شیخ) میرزاہد اکبرآبادیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد فاضل بدخشی لاہوریؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد یوسف (قراباغیؒ) سے، وہ محقق (شیخ) حبیب اللہ میرزا جان شیرازیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے، اور وہ فلسفے کے دونوں مسلکوں کے جامع اور حکمت عملیہ کے محقق امام جلال الدین دوانیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سعدالدین دوانیؒ سے، وہ (سید) شریف علی جرجانیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ (42) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح محقق (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ سے، وہ (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح محقق (شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین (محمود) عینیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): فلسفہ اشراقیہ کے امام، عارف محی الدین ابن عربیؒ کی اسانید

(شیخ) قطب الدین رازیؒ اور (شیخ) شمس الدین اصفہانیؒ دونوں روایت کرتے ہیں علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) حمزہ فناریؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سعیدالدین حمویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالوہاب شعراویؒ (شعرانی) روایت کرتے ہیں (امام) جلال (الدین) سیوطیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین (ابن ہمامؒ) سے، وہ (شیخ) ابن جزریؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن امیلہ مراغیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن ابراہیم فاروقیؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی متقیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالحسن بکریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین غزیؒ سے، وہ (شیخ) شرف الدین مراغیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل جبرتیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن عمروانیؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): فلسفہ مشائیہ کے محقق، امام نصیرالدین طوسی شیعیؒ کی اسانید

علامہ جلال الدین دوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مظہرالدین گاذرونیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین قرطاسیؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین قرطاسیؒ سے، وہ (شیخ) شہاب الدین ابوبکر گاذرونیؒ سے اور وہ علامہ (امام نصیرالدین) طوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ (سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں شیخ مخلص الدین شیرازیؒ سے، وہ اپنے والد علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے اور وہ (امام) علامہ نصیرالدین طوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): فلسفہ مشائیہ کے مدوّن، رئیس ابوعلی حسین ابن سینا حنفیؒ کی اسانید

(امام) علامہ نصیرالدین طوسیؒ روایت کرتے ہیں شیخ فریدالدین داماد نیشاپوری سے، وہ (شیخ) سید صدرالدین سرخسی سے، وہ (شیخ) افضل الدینؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس ملوکریؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعلی (حسین) ابن سیناؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ) ابوعلی ابن سیناؒ نے فقہ کی تعلیم امام ابوبکر احمد بن ابوعبداللہ محمدؒ سے حاصل کی، انھوں نے (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے اور انھوں نے استاذ عبدالحارثی سبذمونیؒ سے حاصل کی۔

چوتھی قسم کے ابواب کا خاتمہ

چوتھی قسم کے ابواب کا خاتمہ اہل علم کی ایک ایسی جماعت کے تذکرے میں ہے، جو حدیث کے یاد کرنے اور فقہ میں اجتہاد کرنے کے حوالے سے جامع شخصیات ہیں۔ اور انھوں نے شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ اور فقیہ العصر قاضی خانؒ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی ہے۔

حافظ (شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ درجِ ذیل پانچ ائمہ سے روایت کرتے ہیں:

حافظ (شیخ) عزالدین ابن فراتؒ، (شیخ) حافظ محمد بن ابراہیم مرشدیؒ، (شیخ) مجتہد کمال الدین ابن ہمامؒ،

(شیخ) بدرالدین محمود عینیؒ، (شیخ) سعدالدین سعد بن محمد بن عبداللہ دیریؒ۔

پھر حافظ ابن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے، اور (شیخ) حافظ محی الدین (شیخ) عبدالقادر قرشی درجِ ذیل چار حفاظ سے روایت کرتے ہیں:

(شیخ) حافظ علی بن عثمان ترکمانی، (شیخ) حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ، (شیخ) حافظ قطب الدین عبدالکریم حلبیؒ، اور (حافظ) مسند الدنیا احمد بن ابوطالب بن شحنہ حنفیؒ المشہور ''حجار'' سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح قطب (عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبی روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ محمود کلاباذیؒ سے، وہ (شیخ) حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری محدثؒ سے، وہ (شیخ) شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے اور وہ شیخ الاسلام علی مرغینانی اور (شیخ) فخرالدین قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ اور کمال الدین بن ہمام کا تذکرہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی اسانید میں کیا ہے۔ اور انھوں نے کہا ہے:

> ''(حافظ) ابن حجر (عسقلانیؒ) وغیرہ نے قاسم (بن قطلو بغاؒ) کی تعریف ''محدث''، ''حافظ'' اور ''فقیہ'' کے الفاظ سے کی ہے۔ اور کمال الدین (ابن ہمامؒ) کے تعریف میں کہا ہے کہ: آپؒ نے معقول و منقول کے تمام علوم اس طرح اپنے اندر جمع کر لیے تھے کہ آپ کے علاوہ کسی اور میں اس طرح جمع نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو تمام دنیا کا عالم اور اپنے زمانے کا محقق کہا جاتا ہے۔ اور آپ کا درجہ اجتہاد سے کسی طرح کم نہیں۔'' انتہٰی

قطب (الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ، (علی) ابن (عثمان) ترکمانیؒ، (شیخ عبداللہ بن یوسف) زیلعیؒ اور (شیخ) عبدالقادر قرشی کا تذکرہ حسینی، ابن فہد اور سیوطی نے اپنے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کیا ہے۔ اور (حافظ) محمود کلاباذیؒ کا تذکرہ (امام) ذہبی نے اپنے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کیا ہے۔ حافظ الدین بخاری کی تعریف حافظ محمود کلاباذیؒ نے ان الفاظ سے کی ہے کہ: ''آپ امام، عالم ربانی، زاہد، قاضی، محقق اور محدث تھے۔'' انتہٰی

قطب (الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبی (امام) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ روایت کرتے ہیں علی بن عثمان ترکمانیؒ سے، وہ ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عباد خلاطیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین محمود بن احمد بن عبدالسید حصیری بخاری محدثؒ سے اور وہ (شیخ) قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ حافظ علاؤالدین) مغلطائی بن قلیجؒ سے اور وہ (شیخ) ابن شحنہ حجار اور (شیخ) یوسف بن عمر ختنی فقیہ محدثؒ سے، اور (یوسف بن عمر) ختنی روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر بن عدیمؒ

سے، وہ (شیخ) قاضی عسکر محمد بن یوسف بدر ابیضؒ سے اور وہ ملک العلما امام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ حافظ علاؤالدین) مغلطائی کا تذکرہ حسینی، ابن فہدؒ اور سیوطیؒ نے اپنے ''تذکرۃ الحفاظ'' کے ''ذیول'' میں کیا ہے۔

اسی طرح (امام ابوالعباس احمد بن ابراہیم) سروجیؒ، (امام جمال الدین) حصیریؒ اور (ملک العلما شیخ ابوبکر بن مسعود بن احمد) کاسائیؒ حدیث کی روایت میں مشغول رہنے والے لوگ تھے۔

رضی اللّٰہ عنہم اجمعین۔ (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے)

(فصل) شیخ الاسلام مرغینانی مصنف ''ھدایہ'' تک میری فقہ کی سند کا ذکر

میں (عبیداللہ سندھی) نے ائمہ حنفیہ کے مذہب میں فقہ کی تعلیم نجم الائمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے حاصل کی۔ آپ بہت عمدہ مدرس اور شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طریقۂ تحقیق کے بڑے ماہر تھے۔ اور شیخ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) مجدد تھے۔ آپؒ کا میلان مجتہدین منتسب کی طرف تھا۔ جیسا کہ صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ بھی ایسا ہی میلان رکھتے تھے۔

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہند سے (فقہ حنفی کی) فروعات میں ''ھدایہ'' پڑھی۔ اصولِ (فقہ) میں ''التوضیح و التلویح'' پڑھی۔ اور فقہی اخذ واستنباط کے لیے جامع ترمذی وغیرہ پڑھیں۔ اور حضرت شیخ الہندؒ نے فقہ کی تعلیم شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ سے حاصل کی اور انھیں سے تکمیل کی۔

میں نے شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سنن ابوداؤد کو فقہی بصیرت کے ساتھ پڑھا۔ آپ کا رُجحان مجتہدین فی المذہب کے طریقے کی طرف تھا، جیسا کہ صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ بھی اسی طرح کا رجحان رکھتے تھے۔ اور مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) اور مولانا رشید احمد (گنگوہی) نے شیخ مملوک علی (نانوتویؒ) اور شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے تکمیل کی۔ اور شیخ مملوک علی (نانوتویؒ) نے شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے تکمیل کی۔ اور انھوں نے شیخ عبدالحئیؒ (بڈھانوی) دہلویؒ، شیخ رفیع الدین دہلویؒ، امام عبدالعزیز دہلویؒ اور امام عبدالقادر دہلویؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ اور شیخ عبدالحئیؒ (بڈھانویؒ) نے شیخ عبدالقادر دہلویؒ اور امام عبدالعزیز دہلویؒ اور امام رفیع الدین دہلویؒ سے تعلیم کی تکمیل کی۔ اور شیخ رفیع الدین دہلویؒ اور شیخ عبدالقادر دہلویؒ دونوں حضرات نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم کی تکمیل کی۔

اور شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ نے اپنے والد (شیخ ابوسعید دہلویؒ) اور شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی اور شیخ محمد اسحاق دہلویؒ نے اپنے نانا امام عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اور امام عبدالعزیز نے اپنے والد امام ولی اللہ دہلویؒ سے تکمیل کی، انھوں نے اپنے والد امام عبدالرحیم دہلویؒ

سے تعلیم حاصل کی اور پھر شیخ تاج الدین قلعی مکی اور شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے تکمیل کی۔ شیخ تاج الدین قلعی اور شیخ ابوطاہر مدنی دونوں نے اپنے زمانے کی منفرد شخصیت شیخ حسن بن علی عُجیمیؒ سے تعلیم حاصل کی اور انھوں نے ابراہیم بن حسن بیریؒ اور محمد صادق بن احمد مکیؒ سے اور ان دونوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدیؒ اور انھوں نے علی بن جاراللہ بن ظہیرہؒ سے اور انھوں نے اپنے والد (جاراللہ بن ظہیرہ) اور انھوں نے کمال الدین ابن ہمامؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح علی بن جاراللہ بن ظہیرہؒ نے اپنے والد جاراللہ سے، انھوں نے اپنے والد امین الدین بن ظہیرہ سے، انھوں نے محمد نجمیؒ سے، انھوں نے ابوحامد محمد ابن احمد بن ضیا (مکیؒ) سے، انھوں نے اپنے والد احمد بن ضیا مکیؒ سے تعلیم حاصل کی۔

شیخ حسن بن علی عُجیمیؒ نے شیخ احمد بن محمد خزنجیؒ سے تعلیم حاصل کی، انھوں نے عبداللہ حضرمی مدنیؒ سے، انھوں نے محمد بن عبدالقادر نحراویؒ سے، انھوں نے احمد بن یونس شلبیؒ سے، انھوں نے ابن شحنہؒ سے، انھوں نے قاسم بن قطلو بغاؒ سے، انھوں نے کمال الدین ابن ہمامؒ سے، انھون نے محبّ ابن شحنہؒ سے، انھوں نے اکمل الدین بابرتیؒ سے، انھوں نے کاکیؒ سے، انھوں نے (حسین علی) سغناقیؒ سے، انھوں نے حافظ الدین کبیرؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح احمد بن ضیا مکیؒ نے حافظ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے، انھوں نے قطب حلبیؒ سے، انھوں محمود کلاباذیؒ سے، انھوں نے حافظ الدین کبیرؒ سے، انھوں نے شمس الائمہ کردریؒ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام علی مرغینانی سے اُن کے کتاب ''ہدایہ'' کی تعلیم حاصل کی۔

اصولِ فقہ میں صدرالشریعہ (عبیداللہ ابن مسعود بخاریؒ) تک میری سند

(شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں روایت کرتے ہیں بدرالدین عینیؒ، وہ جبرئیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ محمد بن عمر ارزنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ارزنجانیؒ) سے، وہ امام صدرالشریعہ (عبیداللہ ابن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح احمد بن یونس شلبی روایت کرتے ہیں ابراہیمؒ سے، وہ ابراہیم کرکیؒ سے، وہ یحییٰ اقصرائی سے، وہ محمد بن محمد حافظی سے، وہ محمد بن محمد طاہری سے، وہ امام صدرالشریعہ (عبیداللہ ابن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

عربی ادب، جدال و مناظرہ، فلسفہ اور فنونِ تحصیل میں

محقق جلال الدین دوانیؒ تک میری سند

امام عبدالرحیم دہلویؒ روایت کرتے ہیں میرزاہد ہروی اکبرآبادیؒ سے، وہ محمد فاضل بدخشیؒ سے، وہ محمد یوسف قراباغیؒ سے، وہ مرزا جان شیرازیؒ سے، وہ محمود شیرازیؒ سے، اور وہ جلال الدین دوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہندؒ سے علامہ تفتازانیؒ کی کتاب ''مطوّل شرح تلخیص المفتاح'' پڑھی اور ''تفسیر بیضاوی''، جس میں اُن کی سند امام (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ تک پہنچتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''میں نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق وغیرہ علوم کو اپنے والدِ گرامیؒ سے پڑھا۔ انھوں نے ان علوم کی چھوٹی کتابیں تو اپنے بھائی ابوالرضا محمدؒ سے پڑھیں۔ اور بڑی کتابیں امیر زاہد ہرویؒ سے، جو مشہور حواشی کے مصنف ہیں۔ امیر زاہد ہرویؒ نے میرزا فاضلؒ سے، انھوں نے ملا یوسف کوسج ؒ سے، انھوں نے مرزا جانؒ وغیرہ سے، انھوں نے مشہور محقق جلال الدین دوانیؒ سے، انھوں نے اپنے والد اسعدؒ وغیرہ سے، اور انھوں نے علامہ تفتازانیؒ اور علامہ شریف جرجانیؒ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی۔'' انتہٰی (43) رضی اللہ عنہم اجمعین

پانچویں قسم: چوتھے دور 412ھ (1021ء) تا 547ھ (1152ء) کے علما کی اسانید

اگر تم چاہو تو اس دور کا آغاز اُس سن سے کر سکتے ہو، جب امیر ناصرالدین سبکتگین نے 366ھ (976ء) میں ہندوستان پر اپنی افواج بھیجیں، لیکن ہندوستان پر اُن کے قبضے کی حفاظت اُسی وقت ہوئی، جب یمین الدولہ سلطان محمود غزنویؒ اَنار اللّٰہ بُرھانَہٗ 387ھ (997ء) میں تختِ سلطنت پر بیٹھے اور ان کی جدوجہد سے 412ھ (1021ء) میں ہندوستانی حکومت کا لاہور میں قیام ہوا تھا۔ اس لیے ہم نے اس دور کا آغاز اسی سن سے کیا ہے۔ تاکہ سلطان محمود غزنویؒ کی جدوجہد اور ان کی کوشش کا تذکرہ اس دور کے شروع میں آجائے۔

مسلمانوں کے لیے ہندوستان کے فتح ہونے میں بڑی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ہندوستان کے لوگ فلاسفہ کی ایک جماعت کی اتباع کرتے تھے۔ چناں چہ اُن میں فلاسفہ کے افکار اتنے راسخ ہوچکے تھے کہ اس فلسفے (ویدانت) کی روح گویا اُن کے گوشت اور خون میں پیوست ہوچکی تھی۔ جب مسلمانوں میں اشراقی صوفی پیدا ہوئے تو ان لوگوں نے ہندوستانی لوگوں کی ذہنیت کا صحیح اندازا لگایا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے شہروں کی طرف ظاہری اور خفیہ طور پر بہت سی جماعتیں بھیجیں۔ انھوں نے ہندوستان کے جوگیوں کا مقابلہ کیا۔ اس طرح ہندوستانی شہروں کی فتوحات میں مسلمانوں کو اپنے غزوات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ طریقت کے سلسلے کے بڑے مشائخ (ہندوستان میں ہونے والے) جہاد کے اس غزوے میں شریک رہے ہیں۔ اس لیے کہ خفیہ جماعتوں کے کام ان مشائخ کے بغیر منظم انداز میں آگے نہیں بڑھتے۔ چناں چہ شیخ محمد بن ابواحمد چشتیؒ سومنات کے غزوے میں شریک رہے ہیں۔ آپؒ چشتیہ طریقے کے امام تھے۔ آپؒ کا انتقال 411ھ (1020ء) میں ہوا۔ اسی طرح سلطان محمود غزنویؒ کے جہاد میں امام ابوالحسن خرقانیؒ کی جہدوجہد اور کوشش بھی شامل ہے۔

باب (1): اللہ کی ''محبتِ ذاتیہ'' کا استنباط کرنے والے اہم صوفیا کی اسانید

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حجة الله البالغه'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ انسان کی روح میں ایک نورانی لطیفہ ہے، جو طبعی طور پر اللہ عز وجل کی جانب ایسا میلان اور جھکاؤ رکھتا ہے، جیسا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کشش رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے، جو وجدانی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ پس ہر وہ آدمی، جو انسانی نفس کے لطائف میں گہرائی سے غور وفکر کرے گا، اور ہر ایک لطیفے کے تمام تقاضوں کو سمجھ لے گا تو ضروری ہے کہ وہ اس نورانی لطیفے کو پالے گا۔ اور طبعی طور پر اس لطیفے کا میلان اللہ کی طرف محسوس کرے گا۔ اہلِ وجدان کے نزدیک اللہ کی طرف اس نقطۂ نورانی کے میلان کو ''محبتِ ذاتیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسا کہ دیگر تمام وجدانی چیزوں کی ہوتی ہے کہ جنھیں عقلی دلائل سے نہیں سمجھا جاسکتا، جیسے بھوکے آدمی کی بھوک اور پیاسے کی پیاس کو عقلی دلائل سے نہیں سمجھا جاسکتا۔'' انتھٰی (44)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: اس نورانی لطیفے میں جب ایسا مکمل استغراق ہوجائے کہ انسان اس حالت میں کسی دوسری چیز کا قطعی کوئی شعور نہ رکھتا ہو، یہاں تک کہ اس شعور کا علم بھی اُسے نہ رہے، تو اسی کا نام ''فنـا فی اللّٰہ'' اور ''بقـا بـاللّٰہ'' ہے۔ اس دور کے ائمہ اس بلند مرتبت معرفت کو مستنبط کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اسی کو انھوں نے صوفیا کے تمام طریقوں کا مرکز اور محور بنالیا۔

پہلی نوع: سید الطائفہ امام جنید بغدادی کے متبعین کی اسانید

فصل (1): امام ابوحامد محمد (بن محمد طوسی) غزالیؒ کی اسانید

امام محی الدین ابنِ عربیؒ روایت کرتے ہیں ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن عیشونؒ سے، وہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربیؒ سے اور وہ امام ابوحامد محمد بن محمد طوسی غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابومدین شعیب (بن حسن) مغربیؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوالحسن علی بن حرزمؒ سے، وہ فقیہ ابوبکر ابن العربیؒ سے اور وہ امام (ابوحامد محمد) غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابومنصور محمد انصاری ہرویؒ کی اسانید

امام محی الدین ابن عربیؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب بن علی بن سکینہ بغدادیؒ سے، وہ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ کروخیؒ سے اور وہ شیخ الاسلام عبداللہ ہرویؒ (45) سے روایت کرتے ہیں۔

امام محی الدین ابن عربیؒ روایت کرتے ہیں جمال الدین ابومحمد یونس بن یحییٰ ہاشمیؒ سے، وہ امام محی الدین

عبدالقادر جیلانیؒ سے، وہ ابوالوقت عبدالاول بن عیسٰی بن شعیب ہرویؒ اور ابوالفتح کروخیؒ سے اور یہ دونوں حضرات شیخ الاسلام اسماعیل عبداللہ انصاری ہرویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام ابوالقاسم قشیریؒ کی اسانید

(شیخ) عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ اور امام ابوحامد غزالیؒ دونوں روایت کرتے ہیں شیخ فضیل بن محمد فارندیؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ (46) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ کی اسانید

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید یعقوب زنجانی لاہوریؒ (47) سے اور وہ اپنے شیخ امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ (48) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): سلطان العارفین امام ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیرؒ کی اسانید

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب زنجانی لاہوریؒ سے، وہ امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ سے اور وہ سلطان العارفین امام ابوسعید بن ابوالخیرؒ (49) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ مصنف ''طبقاتِ صوفیا'' کی اسانید

امام علی بن عثمان ہجویریؒ روایت کرتے ہیں امام ابوسعید فضل اللہ (بن ابوالخیرؒ) سے اور وہ امام ابوعبدالرحمٰن محمد سلمیؒ (50) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوہریرہ ابن ذہبیؒ سے، وہ (شیخ) ابونصر شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن علی بکریؒ سے، وہ (شیخ) ابوزرعہ طاہر بن ابوالفضل بن طاہرؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر احمد بن علی شیرازیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ کی اسانید

امام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ روایت کرتے ہیں شیخ عثمان ہارونیؒ سے، وہ شیخ شریف زندنیؒ سے، وہ شیخ مودود چشتیؒ سے، وہ اپنے اولد شیخ یوسف بن محمد بن سمعان چشتیؒ سے، اور وہ اپنے ماموں امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ ؒ (51) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): امام ابوالقاسم جرجانیؒ کی اسانید

امام عبدالقاہر (ابونجیب) سہروردیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد غزالی سے، وہ (شیخ) ابوبکر نساجؒ سے، اور وہ

امام ابوالقاسم جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ اور امام ابوحامد غزالیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی فضل بن محمد فارندیؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم علی جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): امام ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ حارثی حنفیؒ

مصنف ''قوت القلوب'' کی اسانید

امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں امام الحرمین (شیخ) عبدالملکؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابومحمد جوینیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوطالب مکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حافظ مغلطائی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالعباس حجارؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن دُلفؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفتح محمد بن یحییٰ روائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی محمد بن محمد بن عبدالعزیز مہدیؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن ابوطالب محمد بن علی مکیؒ سے اور وہ اپنے والد ابوطالب مکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

> ''کتاب ''قوت القلوب'' کے بارے میں علما کا کہنا ہے کہ دین اسلام میں اس جیسی کوئی کتاب اہل تصوف کے سلسلۂ طریقت کی باریکیوں کے بیان کرنے میں اور کوئی نہیں لکھی گئی۔ اور تصوف وسلوک پر جتنی بھی دیگر کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ سب اسی سے ماخوذ ہیں، جیسے ''احیاء (علوم دین)''، ''غنیۃ الطالبین'' اور ''عوارف (المعارف)'' وغیرہ ہیں۔'' انتھیٰ (52)

فصل (10): امام ابوبکر بن ابوابراہیم اسحاق کلاباذی بخاری حنفیؒ

مصنف ''التعرّف'' کی اسانید

امام طاہر بن محمود بن صدرالسعیدؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) زاہد عبدالرحمٰن برکویؒ سے، وہ (شیخ) ابرہیم بن احمد مستملیؒ سے، اور وہ شیخ ابوبکر محمد بن ابوابراہیم اسحاق کلاباذی (بخاری) حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (11): امام ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ کی اسانید

امام شہاب الدین سہروردیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فرج زنجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس نہاوندیؒ سے، اور وہ امام ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ کے متبعین کی اسانید

ان کے متبعین میں اہم ترشخصیت امام ابوالحسن خرقانیؒ ہیں، جو عام طور پر تمام سلسلوں کے امام سمجھے جاتے ہیں اور خاص طور پر طریقۂ نقشبندیہ کے امام ہیں۔

امام عبدالقادر جیلانی عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام معین الدین چشتی (اجمیریؒ) روایت کرتے ہیں امام ابوبکر بن محمد بخاریؒ سے، وہ شیخ عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ سے، وہ شیخ ابوعلی فضیل بن محمد فارمدیؒ سے، اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں (ابوعلی فضیل بن محمد) فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ انصاری ہرویؒ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

باب (2): مذہبِ حنفی میں اجتہادی طریقۂ کار کے بانی مجتہدین فقہا کی اسانید

پہلی نوع: شمس الائمہ حلوانی، امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ کے متبعین کی اسانید

ذہبی فرماتے ہیں: (امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ) کا انتقال 456ھ (1063ء) میں ہوا۔

سمعانیؒ فرماتے ہیں:

''ان کا تذکرہ حافظ ابومحمد عبدالعزیز بن محمد نـــحشبـــیؒ نے اپنے مشائخ کی معجم (کتاب) میں کیا ہے۔ اور انھوں نے لکھا ہے کہ: ''اُن مشائخ میں سے شمس الائمہ ابومحمد حلوانیؒ بھی ہیں، جو بڑے شیخ اور علوم کی بہت سی اقسام کے عالم تھے۔ حدیث اور حدیث سے تعلق رکھنے والوں کی بڑی عظمت رکھتے تھے۔ اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اصل میں خود صاحبِ حدیث تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس لیے کہ وہ حدیث کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ البتہ وہ کوفیوں (احناف) کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔'' انتہٰی (53)

تتمہ پہلی نوع: شمس الائمہ سرخسی امام محمد بن احمد بن ابوسہل مجتہد کے واسطے سے شمس الائمہ حلوانی سے علوم حاصل کرنے والوں کی اسانید

فصل (1): امام، برہانِ کبیر عبدالعزیز بن عمر مازہ بخاریؒ کے واسطے سے شمس الائمہ سرخسیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدر السعید تاج الدین احمد بن امام عبدالعزیزؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علی مرغینانی روایت کرتے ہیں صدرالشہید حسام الدین عمر بن امام عبدالعزیز سے، اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علی مرغینانی روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن عبدالرشید بخاریؒ سے، وہ (شیخ) ظہیر کبیر علی بن عبدالعزیز مرغینانی سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فقیہ النفس حسن بن منصور قاضی خانؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ظہیرالدین حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ الاسلام علی) مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیاء الدین محمد بن حسین بن ناصر برسوخسیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤ (الدین) سمرقندیؒ سے، وہ فلائیؒ سے، وہ (شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود) نسفیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) روایت کرتے ہیں۔

ملک العلما ابوبکر کاسانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤ (الدین) سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) میمون بن محمد قلانسیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن عثمان نسفیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن بدرابیض یوسف (بن حسینؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) بدرابیضؒ سے وہ (شیخ) علی بن حسن برہان بلخیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن بدرابیض یوسف بن حسین روایت کرتے ہیں (شیخ) مسعود بن شجاع بن بن محمد امویؒ سے، وہ برہان بلخیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

صدرالاسلام (شیخ) طاہر بن محمود بن احمد بن عبدالعزیز روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمود سے وہ اپنے والد (شیخ) احمد سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر بن محمد عقیلیؒ سے، وہ صدرالشہید (شیخ) عمر بن عبدالعزیزؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): برہانِ کبیر کے واسطے کے بغیر شمس الائمہ محمد بن ابوسہل سرخسیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بن علی بیکندیؒ، (شیخ) عمر بن حبیب بن علی زندوارسیؒ اور (شیخ) محمد بن ابراہیم بن انوش حصیریؒ سے، اور یہ تینوں حضرات (شمس الائمہ) سرخسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام قاضی خان روایت کرتے ہیں (شیخ) حسن بن علی مرغینانیؒ سے، وہ شمس الائمہ محمود اوزجندیؒ ___ جو کہ

(شیخ) قاضی خانؒ کے دادا ہیں ___ اور (شیخ) مسعود بن حسن کشانیؒ سے اور یہ دونوں حضرات (شمس الائمہ) سرخسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ دوسری نوع: شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجریؒ کے واسطے سے

شمس الائمہ حلوانیؒ سے علوم حاصل کرنے والوں کی اسانید

فصل (1): شمس الائمہ عمر بن بکر زرنجریؒ کے واسطے سے

اُن کے والد شمس الائمہ بکر زرنجریؒ کی اسانید

شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے، وہ شمس الائمہ کردریؒ سے، اور وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ الدین بخاری کبیرؒ روایت کرتے ہیں امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی (صدر الشریعہؒ) سے، وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے، اور وہ سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں ناصرالدین مطرزیؒ سے، وہ (شیخ) موفق بن احمد مکیؒ سے، اور وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ وغیرہ کی ائمہ محدثین فقہا کی اسانید

میں نے ان اسانید کو حافظ محی الدین (عبدالقادر) قرشیؒ کی ''جواھر المضئیة'' سے منتخب کیا ہے۔

فصل (1): امام محمد (شیبانیؒ) کی روایت سے مؤطا امام مالکؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانی ''مؤطا'' کی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص عمر بن محمد نسفیؒ سے، وہ (شیخ) ابومنصور احمد بن محمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل احمد بن خیرونؒ سے، وہ (شیخ) ابوطاہر عبدالغفار مؤدبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی صوافؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی بشر بن موسیٰ سے، وہ (شیخ) ابوجعفر احمد بن محمد مہرانؒ سے، وہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے اور وہ امام دارِ ہجرہ امام مالک بن انسؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): صحیح امام بخاریؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر خطیب کشمیہنی مروزیؒ سے صحیح بخاری شریف کا اکثر حصہ پڑھا۔ اور انھوں نے اس کی اجازت مجھے 545ھ (1150ء) میں دی۔

وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ) ابوالخیر محمد بن موسیٰ بن عبداللہ صفار مروزیؒ نے 471ھ (1078ء) میں روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے ابوالہیثم محمد بن بکر بن محمد کشیمھنیؒ نے 388ھ (998ء) میں روایت کی۔ دی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر فربریؒ کے سامنے 316ھ (928ء) میں قرأت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ امام) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (بن ابراہیم) بخاریؒ نے 252ھ (866ء) میں (صحیح بخاری کی) روایت کی اور وہ بڑے امام اور زاہد تھے۔

اسی طرح شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر) مرغینانی (صحیح بخاری کی) روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بیکندیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن عبدالملک نسفیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن محمد مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن محمد کشائیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف بن مطر) فربریؒ سے، اور وہ امام (ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل) بخاری سے اُن کی کتاب ''جامع الصحیح'' کی روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر مرغینانی) روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر نسفیؒ سے، وہ (شیخ) حسن سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن محمد مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) حماد بن شاکرؒ سے، وہ امام (ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ اسناد حنفی حضرات کے تسلسل کے ساتھ ہیں۔

فصل (3): امام مسلمؒ کی ''صحیح (مسلم)'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی (بن ابوبکر) مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے (شیخ) ضیاء الدین محمد بن حسین بن ناصرؒ نے کتاب ''صحیح مسلم'' کی اجازت دی، انھیں (شیخ) محمد بن فضل سے فراویؒ سے، انھیں (شیخ) ابوالحسین عبدالغافر فارسی سے، انھیں (شیخ) جلودیؒ سے، انھیں (شیخ) ابراہیم بن محمد بن سفیان فقیہؒ سے، اور انھیں امام مسلم نیشاپوریؒ سے اجازت حاصل ہے۔

فصل (4): ''جامع ترمذی'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ نے (شیخ) ضیاء الدین صاعد بن اسعد بن اسحاق مرغینانیؒ سے مرغینان میں کتاب ''جـامـع التـرمـذی'' کی سماعت کی، انھوں نے برہان الائمہ (شیخ) عبدالعزیز بن عمر سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) ابوبکر محمد بن علی بن حیدرہؒ سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) علی بن احمد بن محمد خزاعیؒ سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) ابوسعید الہیثم بن کلیب شاشیؒ سے سماعت کی، اور انھوں نے (مصنف کتاب امام) ابوعیسیٰ ترمذی سے (اُن کی کتاب ''جامع ترمذی'' کی) سماعت کی۔

شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر مرغینانیؒ) نے (شیخ) ابوشجاع عمر بن محمد بن عبداللہ بسطامیؒ سے کتاب ''شمائل الترمذی'' پڑھی، انھوں نے (شیخ) ابوالقاسم احمد بن محمد بن عبداللہ خلیلیؒ سے، انھوں نے (شیخ) شریف ابوالقاسم علی بن احمد خزاعیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ہیثم بن کلیبؒ سے اور انھوں نے (امام ابوعیسیٰ) ترمذیؒ سے (شمائل ترمذی) پڑھی۔

فصل (5): (امام) ابوجعفر طحاویؒ کی ''معانی الآثار'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانی کتاب ''معانی الآثار'' کی روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر بن عبدالملک صفارؒ سے، وہ (شیخ) بکر بن محمد بن علی بن فضل زرنجریؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) ابومحمد عبدالعزیز بن احمد حلوائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن عمر بن حمدانؒ سے، وہ (شیخ) ابوابراہیم محمد بن سعید بن ابراہیمؒ سے اور وہ (مصنف کتاب) امام ابوجعفر طحاویؒ سے (اُن کی کتاب ''معانی الآثار'' کی) روایت کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: یہ سب سے آخری کتاب ہے، جس کی اسانید میں نے شیخ الاسلام علی مرغینانی مصنف ''ہدایہ'' سے استخراج کی ہیں۔

فصل (6): امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ''کتاب الآثار'' کی اسانید

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''میں امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) کی ''کتاب الآثار'' کی روایت اپنی اُس اسناد کے ساتھ روایت کرتا ہوں، جو (شیخ) تاج الدین قلعیؒ کے واسطے سے صدرالشریعہ تک جاتی ہے۔

(شیخ تاج الدین قلعیؒ روایت کرتے ہیں شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ سے، وہ (شیخ خیرالدین) رملیؒ سے، وہ (محمد بن سراج الدین عمر) حانوتی سے، وہ (علامہ ابراہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائی سے، وہ (ابونصر بن محمد) حافظیؒ سے وہ (شیخ محمد بن محمد) طاہریؒ سے اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔'' (54)

صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ کی ''کتاب الآثار'' کی اسانید

صدرالشریعہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی امام زادہؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) عبدالعزیز بن احمد حلوائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی نسفیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل بخاریؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن محمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابوحفص صغیرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوحفص کبیرؒ سے، اور وہ امام ربانی محمد بن حسن شیبانیؒ سے ''کتاب الآثار'' کی روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): (شیخ) جمال الدین حصیریؒ کی ''صحیح امام مسلم'' کی اسانید

(امام محمود بن سلیمان) کفویؒ فرماتے ہیں:

''محمود بن احمد بن عبدالسید جمال الدین بخاری حصیریؒ بڑے فاضل امام تھے۔ اپنے زمانے میں

مذہبِ حنفی کی سربراہی اُن پر ختم تھی۔ انھوں نے (شیخ) مؤید طوسیؒ سے نیشاپور میں ''صحیح مسلم'' کی سماعت کی۔'' انتھیٰ (55)

امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) ''الإرشاد (فی مهمّات الأسناد)'' میں فرماتے ہیں:

''جہاں تک صحیح مسلم کا تعلق ہے، تو اس کی روایت دمیاطیؒ نے ابوالحسن مؤید بن محمد طوسی نیشاپوریؒ سے کی ہے، انھوں نے اس کا سماع کیا ہے فقیہ الحرم (شیخ) محمد بن فضل فراویؒ سے، انھوں نے (شیخ) حسن عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر فارسیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابواحمد محمد عیسیٰ جلودیؒ سے، انھوں نے ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان زاہد نیشاپوریؒ سے اور انھوں نے اس کتاب کے مؤلف (امام مسلمؒ) سے روایت کی ہے۔'' (56)

فصل (8): شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ کی ''صحیح امام بخاریؒ'' کی اسانید

شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی اسماعیل بن احمد دیبوردیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی اسماعیل بن احمد کشانیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف) فربریؒ سے اور وہ امام بخاریؒ سے کتاب ''جامع الصحیح'' کی روایت کرتے ہیں۔

فصل(9): (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ کی ''مسند امام ابو حنفیه للخوارزمی'' کی اسانید

(شیخ سیف الدین حافظ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہین (شیخ) تاج الدین احمد بن محمد بغدادی فرغانیؒ سے، وہ (شیخ) حیدرہ بن محمد بن یحییٰ عباسؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباؒغ سے، وہ (شیخ) ابومؤید محمد بن محمود بن محمد خوارزمیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (10): قاسم بن قطلو بغاؒ کی ''مشارق (الأنوار) للصاغانی'' کی اسانید

(شیخ سیف الدین حافظ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین احمد فرغانیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) حسام الدینؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباؒغ سے، وہ امام حسن صغانی لاہوری سے (اُن کی کتاب) ''مشارق الانوار'' کی روایت کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

1۔ سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ بن مسعود شاہ بن سلطان مودود بن سلطان محمود غزنوی نے اپنے والد سلطان بہرام شاہ کی وفات کے بعد حالات کی خرابی کے باعث غزنی چھوڑ کر لاہور آنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ اس طرح اس کے

زمانے میں غزنوی سلطنت، غزنی سے لاہور منتقل ہوگئی۔ چناں چہ منشی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

''سلطان بہرام شاہ نے جب وفات پائی تو باتفاقِ امر خسرو شاہ تختِ (سلطنت) پر بیٹھا، لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ غزنی میں علاؤالدین غوری آن پہنچا ہے، تو وہ مع اہل عیال کے ہندوستان کو روانہ ہوا اور لاہور میں اقامت (اختیار) کی۔ یہاں ہندوؤں نے اس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ ان سب کو اس بات کی خوشی تھی کہ ان کے شہر میں ایک سلطنت قائم ہوگئی۔ اس طرح غزنی کی سلطنت ہندوستان میں منتقل ہوگئی۔'' (تاریخ ہندوستان از منشی ذکاء اللہ۔ ج:01، ص:43-342۔ طبع: سنگِ میل، لاہور)

2۔ یہ بات طے ہے کہ سلطان خسرو شاہ کی حکومت کا آغاز اس کے والد سلطان بہرام شاہ کی وفات سے ہوا۔ البتہ سلطان بہرام شاہ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس کا انتقال 542ھ (1147ء) میں ہوا، جب کہ دوسری روایت کے مطابق اس کا انتقال 547ھ (1152ء) میں ہوا۔ مولانا سندھیؒ نے پہلے سنِ وفات کو ترجیح دی ہے، البتہ منشی ذکاء اللہ کے مطابق دوسری روایت صحیح ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''صحیح روایت کے موافق 547ھ (1152ء) میں اس (سلطان بہرام شاہ) کی وفات ہوئی۔ اس کی سلطنت کی مدت کوئی (سالِ وفات 542ھ/1147ء کے مطابق) 35 سال اور کوئی (سالِ وفات 547ھ/1152ء کے مطابق) 41 سال بتاتا ہے۔'' (حوالہ بالا)

3۔ سلطان خسرو شاہ کے بعد اس کے بیٹے سلطان خسرو ملک نے لاہور پر تقریباً 27 سال (555ھ/ 1160ء تا 582ھ/ 1186ء) حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری نے 582ھ/ 1186ء میں لاہور فتح کرلیا اور یوں غزنوی حکومت کا غزنی کے بعد لاہور سے بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور غوری حکومت آغاز ہوا۔ مولانا سندھیؒ نے پانچویں دور کا آغاز غزنویوں کی لاہور پر حکومت سے کیا ہے۔

4۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ: ''(سلطان شہاب الدین غوری کی شعبان 602ھ/ 1206ء میں شہادت کے بعد) سلطان محمود بن غیاث الدین غوری نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قطب الدین (ایبک) کو ''مَلِک'' سے ''سُلطان'' بنا دیا اور آزادی اور خودمختاری کے فرمان کے ساتھ چتر اور بادشاہی کے دیگر لوازمات بھی اس کے لیے ہندوستان بھجوا دیا۔ قطب الدین اس فرمان اور خلعت کا استقبال کرنے کے لیے (دہلی سے) لاہور تک آیا۔ اور اپنے آقا کی طرف سے اپنی وفاداری کی یہ قدر و منزلت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ خلعت لے کر قطب الدین (ایبک) نے 18/ ذی قعدہ 602ھ/ جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کی رسومات ادا کیں اور اپنی خودمختاری اور سلطان محمود بن غیاث الدین کے فرمان کا اعلانِ عام کرکے لاہور سے دہلی واپس آ گیا۔'' (دیکھئے تاریخ فرشتہ (مترجم)۔ ج:01۔ ص:60-159۔ طبع: دوست ایسوسی ایٹس، لاہور)

5۔ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ: آپؒ کی ولادت 19/ ربیع الاول 592ھ (1196ء) کو ہرات میں ہوئی۔ آپؒ کا اسم گرامی ''علی احمد'' ہے اور آپ کا لقب ''علاؤالدین''، ''مخدوم'' اور ''صابر'' آپ کے خطابات ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں 17/ ربیع الاول 597ھ (1201ء) کو آپ کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت پر کافی توجہ دی۔ ''اجودھن'' (پاکپتن) مین آپ کی تعلیم و تربیت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی نگرانی میں ہوئی۔ عربی، فارسی کے علاہ آپ نے فقہ، حدیث، منطق اور معانی وغیرہ علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ کا انتقال 02/محرم 614ھ (1217ء) کو ہوا۔ اس کے بعد مسلسل تقریباً 40 سال حضرت بابا فرید کی صحبت میں رہے اور پھر 14/ ذی الحج 650ھ (1253ء) کو حضرت بابا صاحب نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ اور کلیر شریف کی ولایت آپ کے سپرد کی۔ آپؒ اپنے پیر و مرشد کے حکم پر ساری عمر کلیر میں قیام فرما رہے۔ اور تقریباً چالیس سال اس کے قریب ایک جنگل میں یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ آپؒ کی وفات 13/ ربیع الاول

690ھ (1291ء) کو کلیر شریف میں ہوئی۔ آپ کا مزار شریف مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کے خلیفہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے، جن سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ جاری ہوا۔ (دیکھیے! تذکرہ اولیائے پاک و ہند۔ از ڈاکٹر ابوظہورالحسن شارب۔ص:74 تا81۔طبع: فیصل ناشران، لاہور) آپؒ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں عام تذکرہ نگار یہی بیان کرتے ہیں کہ آپؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ چناں چہ ''سیر الأقطاب''، ''خزینۃ الأصفیاء''، ''تذکرہ اولیائے پاک و ہند''، ''تاریخ مشائخ چشت'' اور ''تذکرۂ جلیل؛ سوانح حیات مخدوم پاک صابر کلیریؒ'' وغیرہ میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے ''مہر جہاں تاب'' کے حوالے سے ''نزھۃ الخواطر'' میں لکھا ہے کہ: ''کان إسرائیلی النسب من ذریۃ سیدنا موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ السلام. سعد بصحبۃ الشیخ فریدالدین مسعود اجودھنی فی شبابہٖ.'' (ج:01۔ص:191) (آپؒ نسب کے اعتبار سے بنی اسرائیل میں سے حضرت سید موسیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنی جوانی کے زمانے میں آپؒ نے شیخ فریدالدین مسعود اجودھنیؒ کی صحبت کی سعادت حاصل کی۔'' ہماری معلومات کے مطابق دستیاب تذکروں میں کسی نے آپ کے نسب کے سلسلے میں یہ ذکر نہیں کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت صابر کلیریؒ کی نسبتِ طریقت میں موسوی جلال پایا جاتا تھا۔ آپؒ کی جلالی طبیعت کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کی نسبتِ جلالی کا ذکر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ ''مہر جہاں تاب'' کے مصنف کو اس سے اشتباہ ہوا ہے اور انھوں نے ''نسبتِ طریقت'' کو ''سلسلۂ نسب'' کے ساتھ جوڑ دیا اور وہیں سے آپ کے ''اسرائیلی النسب'' ہونے کا اشتباہ پیدا ہوا۔ واللہ اعلم. آج کل ''کلیر شریف'' ہندوستان کے صوبہ اُترا کھنڈ کے ضلع ہردوار کی تحصیل رڑکی کا ایک اہم قصبہ ہے۔ جب کہ پہلے یہ صوبہ یوپی کے ضلع سہارن پور میں شامل تھا۔

6۔ امام، شیخ محمد حلبی بن شمس الدین نصر بن شاہ میر بن علی بن مسعود بن ابوالعباس احمد بن صفی الدین بن امام عبدالوہاب بن امام عبدالقادر جیلانیؒ: آپؒ مشائخ قادریہ میں سے ایک ہیں۔ آپؒ کی پیدائش حلب شہر میں ہوئی۔ پھر آپؒ نے سیر و سیاحت کرتے ہوئے عرب، ایران، ترکستان، خراسان اور ہندوستان کی سرزمین کا سفر کیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ حج اور زیارات سے مشرف ہوئے۔ آپؒ نے ہندوستان کے سفر کے دوران ایک مدت تک لاہور شہر میں قیام فرمایا اور پھر کچھ مدت تک ناگور میں قیام فرما رہے اور وہاں ایک مسجد بھی بنائی۔ پھر واپس سفر کر کے حلب تشریف لے گئے اور اپنے والدِ گرامی سے ہندوستان میں قیام کی اجازت طلب کی، لیکن انھوں نے اپنی زندگی میں اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ والد کے انتقال کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور ملتان میں قیام فرما ہوئے۔ پھر 887ھ (1482ء) میں بہاولپور کے قریب اُچ شریف میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ اور یہاں تقریباً 36 سال تک سلسلۂ قادریہ کا فیض انسانیت تک عام کیا۔ آپؒ کا انتقال 923ھ (1517ء) کو اُچ شریف میں ہوا اور وہیں آپؒ کا مزار ہے۔ (دیکھیے! نزھۃ الخواطر۔ ج:04۔ص:264۔طبع: ملتان)

7۔ سید اسماعیل بن سید ابدال بن نصر بن محمد بن موسیٰ بن عبدالجبار بن ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن امام محی الدین جیلانی، لاہوری قدس سرہٗ: آپؒ بھی بڑے اجل مشائخ میں سے ہیں اور اپنے زمانے کے مشہور علما میں آپؒ کا شمار ہوتا ہے۔ آپؒ کو علم فقہ، اصولِ فقہ اور علم کلام اور عربی زبان پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ پہلے آپ لاہور میں قیام فرما رہے اور وہاں کے علما نے آپ سے فیض حاصل کیا، پھر دارالحکومت دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بھی ایک زمانے تک قیام پذیر رہے۔ پھر تھنبور تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپؒ سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ محمد بن حسن جونپوری، شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی، علامہ جمال الدین لاہوری رحمہم اللہ اور علما اور مشائخ کی کثیر تعداد ہے۔ آپؒ کا انتقال 994ھ/ 1586ء میں ہوا۔ (دیکھیے! نزھۃ الخواطر۔ ج:04۔ص:34-33۔طبع: ملتان)

8۔ سید شاہ قمیص بن ابوالحیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن امام عبدالقادر جیلانی، قادری، ساڈھوریؒ: آپؒ ہندوستان کی سرزمین کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ آپؒ بنگال سے تشریف لائے اور خضر آباد، دہلی میں قیام فرما ہوئے۔ شیخ عالم نصر اللہ دہلویؒ نے اپنی بیٹی کا نکاح آپؒ سے کیا۔ آپؒ نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں پر آپؒ کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ آپؒ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے والوں میں شیخ عبدالرزاق دہلویؒ محدث مشہور ''شیخ بہلول'' اور بہت سے علما و مشائخ شامل ہیں۔ آپؒ کا انتقال 03/ذی قعدہ 992ھ (1584ء) میں بنگال میں ہوا۔ وہاں سے آپؒ کا جسدِ مبارک خضر آباد، دہلی میں منتقل کیا گیا اور وہاں پر آپؒ کی تدفین ہوئی۔ (حوالہ بالا۔ ج:04۔ ص:242)

9۔ شیخ عبدالقادر خامس کا سلسلہ یہ ہے: سید عبدالقادر آخرین خامس، بن سید شمس الدین محمد صالح بن سید حامد بن سید شمس الدین بن عبدالقادر رابع بن سید حامد گنج بخش بن سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر اُچی۔

(دیکھئے! ماہنامہ طلوعِ آفتاب، لاہور۔ ص:09۔ شمارہ: مئی 2011ء)

10۔ حضرت الامام، غوث الاعظم، محی الدین، شیخ عبدالقادر بن ابوصالح بن موسیٰ بن عبداللہ جیلانیؒ: آپؒ کی پیدائش ایران کے مشہور قصبے ''جیل'' میں یکم/رمضان المبارک 470ھ (1068ء) کو ہوئی۔ آپؒ نے تحصیل علم کی ابتدا بغداد سے کی اور تمام علوم وفنون میں تکمیل حاصل کی۔ آپؒ کے اساتذہ میں ابوالوفاء علی بن عقیل، ابومحمد بن حسین بن محمد، شیخ ابوغالب محمد بن حسن باقلانی، شیخ ابوسعید بن عبدالکریم اور شیخ ابوالغنائم محمد بن علی بن محمد رحمہم اللہ ہیں۔ طریقت کا سلسلہ آپ نے شیخ ابوسعید بن مبارک مخزومیؒ سے حاصل کیا۔ آپؒ نے 520ھ (1126ء) میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً چالیس سال آپ کی صحبت اور فیض سے لاتعداد لوگوں کو فیوض و برکات حاصل ہوئیں۔ آپؒ کی تصنیفات میں ''فتوح الغیب''، ''الفتح الربانی''، جو مواعظ اور ملفوظات کا اہم مجموعہ ہے اور ''غنیة الطالبین'' ہیں۔ آپؒ کا وصال 91 سال کی عمر میں 11/ربیع الثانی 561ھ (1166ء) میں بغداد میں ہوا۔ اور باب الازج میں آپؒ کو دفن کیا گیا۔

(دیکھئے! نفحات الأنس۔ از مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔ اردو ترجمہ، ص:42-641۔ طبع صادق آباد۔ نیز فیوضِ یزدانی اردو ترجمہ فتح الربانی۔ ص:9 تا 11۔ طبع: کراچی۔ نیز دیکھئے! البدایه و النهایه۔ ج:12۔ ص:252۔ طبع: بیروت)

11۔ امام سید عبدالرزاق بن امام شیخ عبدالقادر بغدادی جیلانیؒ: آپؒ کی پیدائش 18/ذی قعدہ 528ھ (1134ء) میں ہوئی۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی اور پھر بہت سے مشائخ سے حدیث، فقہ، تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ آپؒ سے روایت کرنے والے محدثین اور مشائخ بھی بہت سے ہیں۔ آپؒ حافظ الحدیث اور امامِ احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر محقق فقیہ تھے۔ آپؒ کا انتقال 06/شوال 630ھ (1233ء) میں ہوا۔ آپؒ کو امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرے میں بابِ حرب میں دفن کیا گیا۔

(دیکھئے! تاریخ الأعظمیه۔ تالیف: خطاط ولید الاعظمی۔ ص:495۔ طبع: بیروت)

12۔ شیخ کمال الدین کیتھلیؒ: آپؒ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ آپؒ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے سلسلے سے بڑا فیض پایا ہے۔ آپؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؒ نے حضرت غوث الاعظمؒ کی روحانیت سے بھی بہت زیادہ فیوض و برکات حاصل کیے ہیں۔ آپؒ سے فیوضات حاصل کرنے والوں میں آپؒ کے پوتے شاہ سکندر بن عماد کیتھلیؒ اور امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے والدِ گرامی شیخ عبدالاحد سرہندیؒ ہیں۔ اور خود امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بچپن میں آپؒ کی زیارت کی ہے۔ اور انھوں نے حضرت مجدد کو خوش خبری بھی سنائی تھی۔ آپؒ کا انتقال 971ھ (1563ء) میں ''کیتھل'' میں ہوا۔ (دیکھئے! نزهة الخواطر۔ ج:04۔ ص:246۔ طبع: ملتان)

13۔ شیخ، فاضل، علامہ، سید ابراہیم بن معین الدین بن عبدالقادر حسینی ایرجی ثم دہلویؒ: آپؒ اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے ہیں۔

آپؒ نے ظاہری علم شیخ علیم الدین محدثؒ سے حاصل کیا اور سلسلۂ طریقت شیخ بہاؤالدین عطا جیندیؒ سے حاصل کیا۔ آپؒ کے لیے شیخ بہاؤالدینؒ نے ایک رسالہ ''اذکار و اشغال'' لکھا تھا۔ آپؒ دہلی میں تقریباً 920ھ (1514ء) میں داخل ہوئے۔ آپؒ نے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا تھا، جس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کیں اور کتابوں کی تصحیح اور ان کے مشکل مقامات کے حل کے سلسلے میں بہت زیادہ محنت اور کوشش کی۔ آپؒ کے حل شدہ مقامات کو دیکھ کر مطالعہ کرنے والا دقیق مشکل مقامات کی آسانی سے تحقیق کرسکتا ہے۔ آپؒ قوالی وغیرہ کے سماع سے پرہیز کرتے تھے۔ آپؒ سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شیخ عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ، شیخ نظام الدین بن سیف الدین کاکورویؒ اور بہت سے علما شامل ہیں۔ آپؒ کا انتقال 953ھ (1546ء) میں دہلی میں ہوا۔ آپؒ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مقبرے میں امیر خسرو کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔ (دیکھئے! نزھة الخواطر۔ ج:04۔ ص:7-6۔ طبع: ملتان)

14۔ شیخ بہاؤالدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ انصاری، شطاری جیندیؒ: ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں۔ آپؒ کی پیدائش اور پرورش سرہند کے قریب ایک ریاست ''جیند'' میں ہوئی۔ آپؒ نے بہت سے علوم حاصل کیے۔ عربی میں مہارت پیدا کی۔ اصولِ فقہ اور فقہ میں فقاہت پیدا کی اور بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ اس سلسلے میں مختلف شہروں کے اسفار کیے۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپؒ کو حج بیت اللہ کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی اور وہاں سے کامیاب لوٹے۔ آپؒ نے سلسلۂ قادریہ شیخ احمد شریف جیلانی شافعیؒ سے حرم محترم میں حاصل کیا اور ہندوستان واپس لوٹے۔ ''مالوہ'' کے حکمران غیاث الدین خلجیؒ کے زمانے میں آپؒ ''مندو'' میں داخل ہوئے اور وہاں ایک طویل عرصے تک قیام پذیر رہے۔ پھر احمد آباد کا سفر اختیار کیا۔ آپؒ نے اذکار و اشغال میں ایک رسالہ لکھا تھا، جسے آپؒ نے شیخ ابراہیم بن معین ایرجیؒ کے لیے تحریر کیا تھا۔ آپؒ کا انتقال 921ھ (1515ء) میں ہوا۔ آپؒ کی قبر دولت آباد (حیدرآباد دکن) میں ہے۔ (نزھة الخواطر۔ ج:04۔ ص:55۔ طبع: ملتان)

15۔ سُبحة المرجان از غلام علی آزاد بلگرامی۔ تذکرہ قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ۔ ص:30۔ دیکھئے! www.al-mostafa.com

16۔ شیخ، امام، عالمِ کبیر، زاہد، مجاہد نصیرالدین محمود بن یحییٰ بن عبداللطیف حسینی، یزدی، دہلوی ثم اوَدھیؒ: آپؒ کی پیدائش اور پرورش سرزمین ''اوَدھ'' میں ہوئی۔ آپؒ کی عمر جب 09 سال کی تھی تو آپؒ کے والد فوت ہوگئے۔ آپؒ نے اپنی ماں کی گود میں پرورش پائی۔ درسی کتابیں مولانا عبدالکریم شیروانیؒ سے پڑھیں۔ اُن کے بعد مولانا افتخارالدین محمد گیلانی سے پڑھا۔ اور ''ہدایہ'' حضرت فخرالدین ہانسوی سے پڑھی، جب کہ بعض کتابیں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی سے پڑھیں۔ 25 سال کی عمر میں علوم سے فارغ ہوئے۔ پھر حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا دہلویؒ سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا اور آپؒ کی صحبت میں ایک طویل مدت تک رہے۔ 724ھ (1323ء) میں آپؒ کو حضرت سلطان المشائخ نے اپنا خلیفہ بنایا۔ اور جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کے مسند نشین بنے۔ آپؒ سے سلسلۂ طریقت کا فیضان بہت زیادہ پھیلا۔ بہت سے علما نے آپؒ سے فیض حاصل کیا۔ آپؒ کا انتقال 18/رمضان المبارک 757ھ (1356ء) میں دہلی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

(دیکھئے! نزھة الخواطر۔ ج:02۔ ص:63-162۔ طبع: ملتان۔ نیز دیکھئے! سُبحة المرجان۔ ص:30)

17۔ شیخ فتح اللہ بن نظام الدین صوفی اودھیؒ: آپؒ علوم فقہ، اصولِ فقہ اور عربی ادب کے ماہر علما میں سے ایک تھے۔ دہلی کی جامع مسجد میں بڑے طویل عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر اس سلسلے کو چھوڑ کر شیخ صدرالدین احمد بن شہاب دہلویؒ خلیفہ حضرت خواجہ نصیرالدین محمود کی صحبت میں ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے۔ یوں آپؒ پر علم و معرفت کے دروازے کھل گئے۔ آپؒ کا انتقال 27/ربیع الثانی 821ھ (1418ء) میں ہوا۔ آپؒ کی قبر اوَدھ میں ہے۔ (نزھة الخواطر۔ ج:03۔ ص:87-86)

18۔ سُبحة المرجان۔ از غلام علی آزاد بلگرامیؒ۔ تذکرہ قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ۔ ص:30۔ دیکھئے! www.al-mostafa.com

19۔ شیخ، عارف، کبیر سراج الدین عثمان چشتی، اَوَدھیؒ: آپؒ بڑے اولیاء اللہ میں سے ایک ہیں۔ اپنی جوانی کے زمانے میں دہلی میں داخل ہوئے اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی صحبت پائی۔ جب دہلی تشریف لائے تو اگرچہ آپؒ کی صورت و سیرت بہت عمدہ تھی، لیکن علم حاصل نہیں کر سکے۔ اس پر آپؒ کو بڑا افسوس ہوتا تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''جاہل شیخ شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔'' چناں چہ مولانا فخر الدین زرّادیؒ ان کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انھوں نے علم صرف میں ان کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کا نام ''عثمانیہ'' رکھا۔ جب تک ''غیاث پور'' میں رہے تو تعلیم میں مشغول رہے، پھر شیخ رکن الدین اندر پتی سے ''کافیہ'' اور ''قدوری'' وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے وصال کے بعد تین سال تک علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ علوم میں مہارت حاصل کی اور تدریس اور فتاویٰ کی اہلیت اپنے اندر پیدا کی۔ پھر آپؒ بنگال تشریف لے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ولایت کے ایسے مرتبے تک پہنچایا کہ جس سے بلند مرتبے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ آپؒ اور آپؒ کے تربیت یافتگان کے ذریعے سے بنگال میں اتنی مخلوق نے فیض اٹھایا کہ جو قطار و شمار میں بھی نہیں آسکتا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے اطراف کے علاقوں میں کوئی علاقہ ایسا نہیں، جہاں آپؒ کے سلسلۂ طریقت کا فیض نہ پہنچا ہو۔ لوگ آپؒ کے ذکر سے برکت حاصل کرتے تھے اور دینوی اور اخروی ترقی پاتے تھے۔ آپؒ کا انتقال 758ھ (1356ء) میں ہوا۔
(دیکھئے! نزھۃ الخواطر۔ ج:02۔ ص:80-79۔ طبع: ملتان)

20۔ امام فریدالدین گنج شکر، شیخ کبیر، مسعود بن سلیمان بن شعیب بن احمد بن یوسف بن محمد بن فرخ شاہ عمری چشتی، اجودھنیؒ: آپؒ کے دادا شعیب تاتاریوں کے فتنے کے زمانے میں ہندوستان کی سرزمین میں آئے تھے اور قصبہ کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپؒ کی پیدائش 569ھ (1173ء) میں ہوئی۔ بچپن میں ہی آپؒ ملتان تشریف لے گئے اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے علوم حاصل کیے۔ وہاں مولانا منہاج الدین ترمذیؒ سے کتابیں پڑھیں۔ وہیں آپؒ کی ملاقات حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے 584ھ (1188ء) میں ہوئی۔ انھی کے ساتھ دہلی تشریف لے آئے اور ایک مدت اُن کی صحبت اختیار کی، اور اُن سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے آپؒ کی ملاقات ہوئی اور آپؒ نے اُن کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے علوم کی تکمیل کرنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ آپؒ قندھار گئے اور پانچ سال تک علوم حاصل کرتے رہے۔ اس دوران آپؒ نے شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ سعدالدین حمویؒ اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور بہت سے دوسرے مشائخ سے علوم و فیوض حاصل کیے۔ پھر دہلی آئے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی صحبت میں رہے۔ پھر آپؒ شہر ہانسی چلے گئے اور بارہ سال وہاں سخت مجاہدات کرتے رہے۔ پھر واپس اپنے آبائی قصبے کھتوال آگئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے، پھر ''اجودھن'' (پاک پتن) تشریف لے آئے اور وہیں آپؒ نے مریدین اور سالکین کی رُشد و ہدایت کا کام کیا۔ آپؒ نے ''عوارف المعارف'' پر بہت عمدہ حاشیے اور تعلیقات لکھی ہیں۔ آپؒ سے سلسلۂ چشتیہ چہار دانگِ عالم میں پھیلا۔ آپؒ کا انتقال 05/محرم الحرام 664ھ (1265ء) میں ہوا۔ (حوالہ بالا۔ ج:01۔ ص:232 تا 234)

21۔ شیخ کبیر شمس الدین بن احمد بن عبدالمؤمن ترکمانی، پانی پتیؒ: آپؒ حضرت خواجہ احمد علویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپؒ کا سلسلۂ نسبت حضرت محمد بن حنفیہ تک پہنچتا ہے۔ آپؒ نے علوم اپنے علاقے ترکستان میں حاصل کیے۔ پھر شہروں کی سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور ماوراء النہر کے علاقے میں بڑے مشائخ کی صحبت اٹھائی۔ پھر ہندوستان آئے اور حضرت شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ سے چشتیہ سلسلے کا فیض حاصل کیا اور ایک طویل مدت تک اُن کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے انھیں وصیت کی تھی کہ اُن کی وفات کے بعد پانی پت میں سکونت اختیار کریں۔ چناں چہ آپؒ نے اُس شہر میں قیام کیا اور رُشد و ہدایت کا سلسلہ آپؒ سے آگے پھیلا۔ آپؒ سے فیض حاصل کرنے والوں میں حضرت شیخ جلال الدین محمود عثمانی پانی پتی ہیں، جو آپؒ کے

جانشین ہوئے۔ آپؒ کا انتقال 10/ جمادی الاخریٰ 716ھ (1316ء) میں ہوا۔ (حوالہ بالا۔ ج:02۔ ص:54)

22۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، ابوالجناب، احمد بن عمر بن محمد خوارزمی، خیوکی، امام شہیدؒ: آپؒ کا لقب ''کُبریٰ'' ہے اور یہ اس تھا کہ جوانی میں جب آپؒ علوم حاصل کرنے میں مصروف تھے، تو جس کے ساتھ بھی مناظرہ اور مباحثہ کرتے، اس پر غالب آجاتے۔ اس سبب سے لوگوں نے ان کو ''طامّة الکُبریٰ'' (سب سے بڑی آفت والا) کا لقب دیا۔ پھر ''طامّة'' (آفت) کو حذف کر دیا گیا اور ''کُبریٰ'' مشہور ہوگیا۔ آپؒ نے بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا، جن میں شیخ اسماعیل قصری، شیخ عمار یاسر اور شیخ روزبھان کبیر مصری قدس سرہم ہیں۔ پھر شیخ عمار یاسر نے آپؒ کو خوارزم میں طریقت کا سلسلہ پھیلانے کے لیے بھیجا۔ یہاں آپؒ نے بہت سے لوگوں میں اصلاح و تربیت کا کام کیا۔ جب تاتاریوں نے چنگیز خاں کی قیادت میں خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد شاہ خوارزمی یہاں سے بھاگ گیا تو آپؒ تاتاریوں کے مقابلے میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ آپؒ کی شہادت 618ھ (1221ء) میں ہوئی۔ آپؒ سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ رضی الدین علی لالا، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی وغیرہ ہیں۔

(دیکھئے! نفحات الاُنس۔ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص:567 تا 573۔ طبع: صادق آباد)

23۔ امام ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عمویہ عبداللہ بن سعد بن حسین بن قاسم صدیقی، سہروردیؒ: آپؒ اپنے زمانے میں عراق کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ آپؒ کی پیدائش سہرورد میں تقریباً 490ھ (1096ء) میں ہوئی۔ آپ بغداد تشریف لائے اور مدرسہ نظامیہ میں شیخ اسعد میھنی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر صوفیا کے طریقے پر عمل پیرا رہے۔ آپ نے بغداد میں شہر کے مغربی جانب اپنی خانقاہ بنائی۔ آپؒ مدرسہ نظامیہ میں ایک مدت تک درس بھی دیتے رہے۔ اس دوران بہت زیادہ لوگوں نے آپؒ کی طرف رجوع کیا اور فیض پایا۔ آپؒ سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابوسعد سمعانیؒ آپؒ کے بھتیجے شیخ شہاب الدین عمر حفص سہروردیؒ ہیں۔ آپؒ کا انتقال بغداد میں جمعے کے دن عصر کے وقت 17/ جمادی الاخریٰ 563ھ (1168ء) میں ہوا اور آپؒ کو آپؒ کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ (دیکھئے! وفیات الأعیان۔ ج:03۔ ص:05-204۔ طبع: بیروت)

24۔ شیخ امیر کلال بن سید حمزہ بخاریؒ: آپؒ کی پیدائش قصبہ سوخار میں ہوئی، جو بخارا سے چھ میل کے فاصلے پر ہے، اور وہیں آپؒ کا انتقال ہوا۔ آپؒ نے شیخ محمد بابا سماسیؒ سے فیض حاصل کیا۔ 20 سال ان کی صحبت میں رہے۔ آپؒ کے چار خلفا شیخ محمد بہاؤالدین شاہ نقشبندؒ، شیخ عارف بیگ کراںؒ، شیخ یادگار کنسرویؒ اور شیخ جمال الدین دھستانیؒ ہیں۔

(دیکھئے! انوار القدسیه فی مناقب السادت النقشبندیه۔ ص:123۔ طبع: مصر)

25۔ وہ شیخ معمر (خواجہ بابا) محمد سماسؒ: آپؒ حضرت خواجہ علی رامیتنی المقلب ''عزیزان'' کے خلیفہ ہیں۔ آپؒ نے بڑی لمبی عمر پائی۔ آپؒ کے خلیفہ اور جانشین حضرت سید میر کلال قدس سرہٗ ہیں۔ آپؒ نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کو بھی اپنی فرزندی میں قبول کیا تھا اور ان کی ابتدائی تربیت کی تھی۔ اور اپنے بعد ان کی تربیت اپنے خلیفہ اور جانشین کے سپرد کی۔ (دیکھئے! نفحات الانس۔ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص:506۔ طبع: صادق آباد)

26۔ شیخ علی رامیتنیؒ: آپؒ حضرت شیخ ابوالخیر فغنویؒ کے خلفا میں سے ہیں۔ آپؒ بڑے اونچے مقامات اور بہت سی ظاہری کرامات کے مالک ہیں۔ آپؒ کی قبر خوارزم میں ہے۔ (نفحات الانس۔ ص:341۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص:505۔ طبع: صادق آباد)

27۔ شیخ محمود ابوالخیر فغنویؒ: آپؒ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ کے خلفا میں سے ہیں۔ آپؒ کا انتقال 17/ ربیع الاول 717ھ (1317ء) میں ہوا۔ (حوالہ بالا)

28۔ شیخ عارف ریوگریؒ: آپؒ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے تین خلفا میں سے ایک ہیں۔ آپؒ کا انتقال 616ھ (1219ء)

میں ہوا۔(حوالہ بالا)

29۔ امام (خواجہ) عبدالخالق بن عبدالجلیل غجدوانیؒ: آپؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی اور مؤسس اول ہیں۔آپؒ کی پیدائش غجدوان میں ہوئی، جو کہ بخارا سے 18 میل دور ایک بڑا قصبہ ہے۔آپؒ کا سلسلۂ نسب امام مالک بن انسؒ تک پہنچتا ہے۔آپؒ کے والد شیخ عبدالجمیل روم کے بڑے علما اور اماموں میں سے تھے۔آپؒ کی والدہ شہزادی تھیں۔آپؒ کے والد اپنے اہل و عیال کے ہمراہ روم سے ماوراء النہر کے علاقے میں تشریف لائے اور غجدوان میں آباد ہوگئے۔آپؒ نے شیخ علامہ صدرالدین سے بخارا میں علوم وفنون حاصل کیے۔جب ظاہری علوم سے فارغ ہوگئے تو حضرت شیخ یوسف بن ایوب ہمدانی، جس زمانے میں بخارا میں قیام پذیر تھے، اُن کی صحبت میں مجاہدات اور ریاضات میں مشغول ہوگئے۔آپؒ کا انتقال غجدوان میں 575ھ(1179ء) میں ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ 17-616ھ(20-1219ء) میں آپؒ کا انتقال ہوا۔(حوالہ بالا۔ص:502 تا 505 وحاشیہ التمہید)

30۔ شیخ علاؤالدین، حافظ مغلطائی بن قلیـج، ترکی، حنفیؒ: آپ 689ھ(1290ء) میں پیدا ہوئے۔اپنے زمانے کے امامِ حدیث اور اس کے فنون میں حافظ، عارف اور علم فقہ وانساب وغیرہ میں علامۂ زمان، مدقق، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔چناں چہ ایک سو کتاب سے زیادہ آپ نے تصنیف فرمائیں، جن میں سے ''تلویح شرح صحیح بخاری'' اور ''شرح ابن ماجه'' مشہور ومعروف ہیں۔آپؒ کی وفات ماہِ شعبان 762ھ(1361ء) میں ہوئی۔

(دیکھیے! حدائق الحنفیه از فقیر محمد جہلمیؒ۔ص:18-317۔طبع: لاہور)

31۔ امام ابومدین شعیب بن حسن اندلسی، تلمسانی، مغربیؒ: آپؒ مشاہیر صوفیا میں سے ہیں۔آپؒ اصلاً اندلس کے رہنے والے ہیں۔ پھر فاس میں اقامت پذیر ہوگئے اور جایا میں سکونت اختیار کی۔آپؒ کا انتقال تلمسان میں 594ھ/ 1198ء میں میں ہوا۔

(دیکھیے! الأعلام للزّرکلي۔ج:03۔ص:244)

32۔ امام، عالم، عارفِ ربانی یوسف بن ایوب ہمدانیؒ: آپؒ کی کنیت ابویعقوب ہے۔ابتدا میں آپؒ بغداد تشریف لے گئے اور شیخ ابواسحاق شیرازیؒ کی مجلس میں رہے۔پھر اپنے زمانے کے علما سے ظاہری علوم حاصل کیے۔آپؒ نے بغداد، اصفہان، سمرقند میں ایک بڑی جماعت سے حدیث کا سماع کیا۔مشہور ہے کہ تصوف میں آپؒ کی نسبت شیخ ابوعلی فارمدیؒ سے ہے۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ جوینی اور شیخ حسن سمنانیؒ کی صحبت میں بھی رہے۔پھر کچھ عرصہ مرو میں سکونت اختیار کی۔وہاں سے ہرات آگئے۔آپؒ کا انتقال ہرات اور مرو کے راستے میں 735ھ(1334ء) میں ہوا۔آپؒ کا مزار مرو میں مشہور ومعروف ہے۔

(دیکھیے! نفحات الاُنس۔از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی۔اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ص:500۔طبع: صادق آباد)

33۔ حافظ قطب الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور حلبیؒ: آپؒ نے شیخ شمس الدین محمود بن ابوبکر کلاباذیؒ سے تعلیم حاصل کی۔آپؒ نے بہت سے حضرات سے احادیث کا سماع کیا۔کتابیں جمع کیں۔آپؒ کی پیدائش 16/ رجب 663ھ(1265ء) میں ہوئی۔اور آپؒ کا انتقال یکم/ رجب 735ھ(1334ء) میں ہوا۔(دیکھیے! الفوائد البهیه۔ص:42۔طبع: یوسفی، لکھنؤ)

34۔ شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد ابوحفص ہندی، غزنویؒ: آپؒ بڑے امام، علامہ اور بحث وتحقیق پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے۔انتہائی ذہین اور بے نظیر حافظہ رکھتے تھے۔آپؒ نے فقہ کی تعلیم امام وجیہ الدین دہلویؒ، شمس الدین خطیب دوئیؒ، ملک العلما سراج الدین ثقفی اور شیخ رکن الدین بدایونیؒ سے حاصل کی۔آپؒ کا انتقال 763ھ(1362ء) میں ہوا۔(حوالہ بالا۔ص:60)

35۔ امام علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ: آپؒ نے اپنے چچا شیخ محمد مایمرغی تلمیذ شمس الائمہ کردریؒ سے فقہ حاصل کی۔آپؒ کی بڑی مقبول تصنیفات ہیں، جن میں ''کشف الاسرار شرح اصول البزدوی'' اور ''شرح منتخب حسامی'' ہیں۔ آپؒ سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ قوام الدین محمد کاکیؒ اور شیخ جلال الدین عمر بن محمد خبازیؒ ہیں۔آپؒ کا انتقال 730ھ

(1329ء) میں ہوا۔ (حوالہ بالا۔ص:40)

36۔ ''الفوائد البھیہ''. از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص:211۔طبع: کراچی۔

37۔ مقدمہ المسوّی فی احادیث المؤطا۔ج:01۔ص:23۔طبع: بیروت۔

38۔ امام، شیخ محمد بن محمد بن عمر حسام الدین اخسیکشیؒ: آپؒ بڑے فاضل امام تھے۔آپؒ نے شیخ محمد بن عمر نوجہ بازیؒ اور محمد بن محمد بخاریؒ سے تعلیم حاصل کی۔اصولِ فقہ میں آپؒ کی ایک مشہور کتاب ''مختصر الحسامی'' ہے۔آپؒ کا انتقال 22/ذی قعدہ 644ھ(1247ء) میں ہوا۔(دیکھئے!فوائد البھیہ۔ص:188۔طبع: کراچی)

39۔ اعلام الأخیار من فقہاء مذھب النعمان. از محمود بن سلیمان کفوی، المتوفی 990ھ/1582ء۔

40۔ شیخ تاج الدین محمد بن حسین بن عبداللہ ابوالفضائل ارمویؒ: آپؒ بڑے فقیہ اور اصولِ فقہ کے ماہر اور قضاۃ میں سے تھے۔آپؒ کی مشہور تصنیف ''حاصل المحصول فی اصول الفقہ'' ہے۔آپؒ کا انتقال بغداد میں ماہِ محرم 656ھ(1258ء) میں ہوا۔
(دیکھئے!معجم المؤلفین۔ازعمر رضا کحالہ۔ج:09۔ص:244)

41۔ وفیات الأعیان لإبن خلّکان۔ج:4۔ص:250۔طبع: بیروت۔

42۔ علامہ شیخ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازیؒ: آپؒ کی پیدائش 634ھ (1236ء) میں ہوئی۔آپؒ نے علوم و فنون شیخ نصیرالدین طوسیؒ سے حاصل کیے۔امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: آپؒ عجم کے بڑے عالم تھے۔آپؒ اپنے زمانے میں معقولات کے امام تھے۔انتہائی ذہین اور فطین شخص تھے۔آپؒ کی تصنیفات ''شرح المختصر ابن حاجب''، ''شرح المفتاح'' اور ''شرح کلیات القانون'' ہیں۔آپؒ کا انتقال تبریز میں رمضان 710ھ میں ہوا۔بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ''قطب شیرازی'' دو ہیں، ایک طوسیؒ کا شاگرد، جس نے ''شرح القانون'' لکھی، اور دوسرا وہ جس نے ''مفتاح'' اور ''مختصر'' کی شرح اور ''حکمۃ الإشراق'' لکھی، لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے، بلکہ یہی ایک قطب شیرازی ہیں، جن کی یہ تمام تصنیفات ہیں۔
(دیکھئے!منھیات الفوائد البھیہ۔ازمولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص:53۔طبع: یوسفی، لکھنؤ)

43۔ القول الجمیل (اردو)۔از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔فصل11۔ص:197۔طبع رحیمیہ مطبوعات۔

44۔ حجۃ اللہ البالغہ۔از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ج:01۔ ص:204 تا 206۔ طبع: بیروت۔

45۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابومنصور محمد انصاری ہرویؒ: آپؒ کی پیدائش 02/شعبان، بروز جمعہ 396ھ میں ہوئی۔آپؒ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔آپؒ نے سب سے پہلے حضرت ابوعاصمؒ سے فیض حاصل کیا۔قاضی ابومنصور اور جاروزیؒ سے لکھنا پڑھنا سیکھا۔آپؒ کا حافظہ بہت قوی تھا۔آپؒ کو تین لاکھ احادیث ایک ایک ہزار سندوں کے ساتھ یاد تھیں۔قرآن حکیم کی تفسیر آپؒ نے خواجہ عمار یحییٰ عمار سے حاصل کی۔آپؒ کا انتقال 481ھ(1088ء) میں ہوا۔
(دیکھئے! نفحات الانس۔ازمولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔اردو ترجمہ حیاتِ صوفیہ۔ص:457۔طبع: صادق آباد)

46۔ امام، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ: آپؒ کی پیدائش 376ھ(976ء) میں ہوئی۔آپؒ فقہ، تفسیر، حدیث، اصول اور علم تصوف میں بڑے عالم تھے۔آپؒ عرب علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔پھر خراسان آگئے اور یہاں نیشاپور میں شیخ ابوعلی حسن بن علی نیشاپوری المعروف ''ابوعلی دقاق'' کی صحبت میں رہے۔انھوں نے آپؒ کو علم کی طرف متوجہ کیا۔چناں چہ آپؒ شیخ ابوبکر محمد بن ابوبکر طوسیؒ کے درس میں جانے لگے۔اور پھر استاذ ابواسحاق اسفرائنیؒ سے تعلیم حاصل کی۔اسی کے ساتھ ساتھ حضرت ابوعلی دقاق سے فیض حاصل کرتے رہے۔انھی کی بیٹی سے آپؒ کی شادی ہوئی۔آپؒ کی کئی کتابیں ہیں۔آپؒ نے بہت سے مشائخ سے بغداد اور حجاز میں احادیث کی سماعت بھی کی۔آپؒ کا انتقال 465ھ(1072ء) میں ہوا۔

(دیکھئے! وفیات الأعیان۔ ج:03۔ ص:205 تا 208۔ طبع: بیروت)

47۔ شیخ، عالم، سید یعقوب بن علی حسینی، کاظمی، زنجانی، لاہوریؒ: آپؒ علم و تقویٰ کے مشہور افراد میں سے ایک ہیں۔ 535ھ (1140ء) آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا۔ آپؒ سے بہت سے علما اور مشائخ نے فیض حاصل کیا۔ آپؒ کا انتقال 16/رجب 604ھ (1208ء) میں ہوا۔ (نزهة الخواطر۔ ج:01۔ ص:240۔ طبع: ملتان)

48۔ شیخ، امام، عالم، فقیہ، زاہد ابوالحسن علی بن عثمان بن ابوعلی جلابی، ہجویری، غزنوی ثم لاہوریؒ: علم و معرفت کے مشہور افراد میں سے ہیں۔ آپؒ نے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلانی سے فیض حاصل کیا اور ایک طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر آپؒ نے حرمین شریفین کی زیارت کی اور شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانیؒ سے بعض علوم حاصل کیے۔ اسی طرح آپؒ نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر مہنویؒ، شیخ ابوعلی فضل بن محمد فارمدیؒ اور بہت سے علما و محدثین سے فیوضات حاصل کیے اور ایک طویل مدت ان کی صحبت میں رہے۔ پھر ہندوستان آئے اور لاہور شہر میں قیام کیا۔ آپؒ کی مشہور اور معتبر کتاب ''كشف المحجوب'' ہے، جس میں آپؒ نے تصوف کے حقائق اور لطائف بیان کیے ہیں۔ آپؒ کا انتقال 20/ربیع الثانی 465ھ (1072ء) میں شہر لاہور میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپؒ کا مزار مشہور و معروف ہے۔

(دیکھئے! نزهة الخواطر۔ ج:01۔ ص:15-114۔ طبع: ملتان)

49۔ سلطان العارفین امام ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیرؒ: آپؒ سلطان العارفین ہیں اور طریقت میں آپؒ کے شیخ، شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسیؒ ہیں۔ آپؒ نے شیخ ابوالعباس سے فیض حاصل کیا۔ آپؒ بہت اونچے مرتبے کے آدمی تھے۔ آپؒ کی تفصیلی حالات عارف جامی نے ''نفحات الانس'' میں لکھے ہیں۔ آپؒ کا انتقال جمعے کی رات عشا کی نماز کے وقت 04/شعبان 440ھ (1048ء) کو ہوا۔ آپؒ کی عمر ایک ہزار مہینے کی ہوئی۔ (دیکھئے! حیاتِ صوفیه۔ ص:431 تا 442)

50۔ امام ابوعبدالرحمٰن محمد سلمی، نیشاپوریؒ: آپؒ کی پیدائش 325ھ میں ہوئی۔ آپؒ بڑے صوفی، محدث، حافظ، مفسر اور مؤرّخ تھے۔ آپؒ نے مرو اور نیشاپور میں احادیث لکھیں اور کئی دفعہ بغداد گئے اور وہاں خرسان کے مشائخ کی احادیث بیان کیں۔ آپؒ کی مشہور کتابوں میں ''طبقات الصوفیه''، ''عیوب النفس'' اور ''حقائق تفسیر القرآن'' وغیرہ ہیں۔ آپؒ کا انتقال 412ھ (1021ء) میں ہوا۔ (دیکھئے! معجم المؤلفین۔ از عمر رضا کحالہ۔ ج:09۔ ص:258)

51۔ امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ: آپؒ اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی مسند پر بیٹھے۔ آپؒ انتہائی متقی، زاہد اور پرہیز گار آدمی تھے۔ آپؒ نے سلطان محمود غزنویؒ کے ساتھ سومنات کے جہاد میں حصہ لیا تھا اور انھوں نے اس جنگ میں آپؒ کی چند کرامات بھی دیکھی تھیں۔ (دیکھئے! نفحات الانس فارسی۔ ص:298۔ طبع: نول کشور)

52۔ الإنتباه فی سلاسل اولیاء الله۔ از شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ص:130۔ طبع: دہلی۔

53۔ الأنساب للسمعانی۔ ص:173۔ طبع: لندن۔ لیکن اس کتاب میں ''انشاء الله تعالی'' کا لفظ نہیں ہے۔

54۔ إتحاف النبیه فی ما یحتاج إلیه المحدث و الفقیه۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ص:121۔ طبع: لاہور۔

55۔ اعلام الأخیار من فقهاء مذهب النعمان. از محمود بن سلیمان کفوی.

56۔ الإرشاد إلی مهمّات علم الأسناد۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ص:09۔ طبع: مطبع احمدی، دہلی۔

☆☆☆☆☆

مطالعۂ قرآنیات

قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر و فلسفہ

(ولی اللّٰہی تعلیمات کی روشنی میں سورت الاخلاص اور معوذتین کا مطالعہ)

ترتیب و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

قرآنِ حکیم نے بلاشبہ انسانی سوسائٹی میں ایک عالم گیر انقلاب برپا کیا ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے اس انقلاب کے بنیادی اساسی اصول قرآن حکیم کی پہلی سورت ''الفاتحہ'' میں بیان کیے گئے ہیں۔ اُن اصولوں کی روشنی میں انسانوں کے اللہ سے تعلق اور انسانی سماج کے باہمی روابط اور تعلقات کے قوانین اور ضوابط کی تفصیل و تشریح پورے قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں ___ سورت الاخلاص، سورت الفلق اور سورت الناس ___ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنی تعلیمات کا مرکزی فکر اور اس کا ایک مربوط فلسفہ واضح کیا ہے۔ ان سورتوں میں قرآنِ حکیم نے انسانی سماج کی تشکیل کے لیے جتنے افکار و نظریات، اعمال و اَخلاق اور عملی نظام سے متعلق امور واضح کیے ہیں، اُن کا مرکزی فکر ''توحیدِ الٰہی'' کو قرار دیا ہے اور انسانیت سے متعلق کائنات کے تمام امور اور خود انسانی سوسائٹی کے داخلی امور کو اس مرکزی فکر کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے ایک مربوط فلسفے کی نشان دہی کی ہے۔ ذیل میں ان سورتوں کا مطالعہ قرآنی تعلیمات کے بنیادی فکر و فلسفے کے تناظر میں پیش کیا جا رہا ہے۔

تین سورتوں میں بیان کردہ مضامین کا بنیادی خاکہ

سورت الاخلاص میں ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق کے حوالے سے انسانی سماج کی تشکیل کے مرکزی فکر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور ہر مسلمان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے پکار کر اس ذاتِ واحد کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے۔ اس طرح ''توحیدِ الٰہی'' کو قرآنی تعلیمات کے بنیادی فکر و فلسفے کے طور پر مرکزی نقطے کی حیثیت دی گئی ہے۔ کائنات میں انسان کی نسبت سے جتنے شرور اور نقصان دہ امور تھے، ان سے بچاؤ کے لیے سورت الفلق میں ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی دعا کی گئی ہے۔ اس طرح توحیدِ الٰہی کے مرکزی فکر کے ساتھ انسان کی نسبت سے کائنات کے تمام امور کو مربوط کر دیا گیا ہے۔ اور سورت الناس میں انسانی معاشروں میں پائے جانے والے تمام شرور سے بچنے کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی دعا کی گئی ہے۔ اس طرح انسانی سماج کے ''توحیدِ الٰہی'' کے ساتھ ربط کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یوں بڑے مربوط انداز میں قرآن حکیم کے بنیادی فکر و فلسفے،

کائنات میں اُس کے پھیلاؤ اور انسانی معاشرے میں اس کے اثرات ونتائج کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ سورتیں دعا کی صورت لیے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان سورتوں کو پڑھنے والا، ان میں بیان کردہ امور کے ساتھ اپنے گہرے تعلق اور مستحکم عزم کا اظہار کرتا ہے۔ ذیل میں ولی اللّٰہی تعلیمات کی روشنی میں ان سورتوں میں بیان کردہ فکر و فلسفے کے بنیادی نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔

1۔ انسانی سماج کی تشکیل میں فکر و فلسفے کی اہمیت

انسانی سماج کی تشکیل کے بنیادی اساسی امور کیا ہیں، اور ان میں فکر و فلسفے کی اہمیت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی نشان دہی کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے:

1۔ سیاسیات 2۔ اقتصادیات 3۔ فلسفہ

اگر کسی معاشرے کو ایک ''شخص'' (Person) مان لیا جائے تو ''سیاست'' اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ ''اقتصادیات'' اسے نشوونما بہم پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔ اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرے پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ (Economic Structure) اور اس کا نظامِ فکر (Ideology) محفوظ رہیں تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا (علاج) کر کے اپنی ہستی از سرِ نو قائم کر سکتا ہے۔ تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن اس کا فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیای کمزوری کا مداوا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرے کا فکری نظام بھی ٹوٹ جائے تو پھر اس کے معاشرے کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔''(1)

(الف) فلسفے کی حقیقت اور اس کی ضرورت و اہمیت

انسانی سماج کی تشکیل کے حوالے سے میں بنیادی فکر و فلسفے کی ضرورت و اہمیت اور اس کی حقیقت و ماہیت بیان کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''فلسفے کے کیا معنی ہیں؟ دراصل اس کا مطلب ایک مرکز کا تعین کرنا اور مختلف افکار و خیالات کو اس مرکز سے وابستہ کر کے ایسے منظّم انداز میں سمجھنا کہ افکار کے درمیان ظاہری طور پر نظر آنے والا اختلاف اور تضاد ختم ہو جائے۔ گویا (فلسفہ یہ ہے کہ) ایک مرکزی نقطہ متعین کر لیا جائے اور تمام افکار و خیالات کو

ایک دائرے کی شکل میں اُس کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا جائے۔'' (2)

فلسفے کے صحیح مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''فلسفے کا حاصل یہ ہے کہ عقل کے سامنے ایک چیز بطور مرکز کے پیش کی جائے، اور تمام چیزیں اس سے وابستہ کردی جائیں، تو فلسفہ بن جائے گا۔ اور اس سے زیادہ فلسفے کا (کوئی) مطلب نہیں۔ یہ جو مشہور ہے کہ فلسفے کے مختلف سکول ہوتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تمام فلاسفہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ تمام چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کردیں۔ (وہ مرکز، جو اُن کے خیال میں ہوتا ہے)۔ چناں چہ ایک فلسفی یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے بنائے ہوئے مرکز کے ساتھ تمام چیزوں کا اتصال کردیتا ہے۔ اس طرح فلسفے کے مختلف اسکول بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر لیجیے کہ فلسفے کے ایک اسکول نے کسی ایسی چیز کو مرکز بنایا کہ عام انسانیت اس کی مرکزیت کو آسانی سے قبول کرلیتی ہے۔ اور پھر تمام چیزوں کو عام فہم طریقے سے اُس مرکز سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ تو ایسے فلسفی کا وہ اسکول، تمام اسکولوں کی نسبت انسانیت کے لیے زیادہ قابل قبول ہوگا۔ اور فلسفے کے دوسرے اسکولوں کو اس کے مقابلے میں کامیابی کی امید موہوم ہوجائے گی۔'' (3)

کسی قوم کی سماجی تشکیل میں فلسفے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اور اس کے کیا اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اصل میں کسی قوم کا نظامِ فکر اس کے فلسفہ حیات (Philosophy of Life) پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اس کے افکار میں سے تعارض (Conflict) دور کر کے وحدتِ فکری پیدا کردیتا ہے جس سے معاشرے میں وحدتِ عمل ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فکر وعمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشوونما اور قوت کا موجب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو اس میں انتشارِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔'' (4)

(ب) اسلام کے فلسفے کی اہمیت اور طاقت

دین اسلام کے فلسفے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید میں یہ دکھانا منظور تھا کہ قرآن مجید کی فتح ہوئی، مگر اس فتح کو پولیٹیکل (سیاسی) فتح تک محدود کردینا کافی نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو (محض) ''پولیٹکل تحریک'' سمجھا، وہ یہی کہتے ہیں کہ: ''اسلام کا دور گزر چکا ہے۔'' (کیوں کہ آج کل اسلام کی پولیٹیکل طاقت نہیں رہی)

ہم کہتے ہیں کہ یہ پولیٹیکل تحریک اور اس کی فتح، فقط قرآن مجید کی تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ ''پولیٹیکل تحریک'' اور غلبے کی تہ میں ''سوشل طاقت'' کام کرتی ہے۔ اور جو سوشل پروگرام آج بھی دنیا میں موجود

ہے، اُس پر بھی قرآن مجید کا ''سوشل پروگرام'' فتح مند ہے۔ اور اسلام کے پروگرام کا اس پر بھی غلبہ ہے۔ اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی دنیا بھر میں اسلام سے اچھا ''سوشل پروگرام'' کوئی اور نہیں ہے۔

سوشل (معاشرتی اور اقتصادی) طاقت ہمیشہ عقلی فلسفے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلام کا فلسفہ تمام دنیا کی عقلیت پر غالب ہے۔ اس کے مقابلے پر فلسفے کا کوئی اسکول پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اسلام اور انسانیت لازم و ملزوم رہیں گے۔ جب تک دنیا میں انسانیت ہے، اس وقت تک اس سطح زمین پر اسلام کا رہنا خود انسانیت کے لیے ضروری ہے۔'' (5)

(ج) اسلامی فلسفے کے شارحین اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہمیت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اسلامی فلسفے کے شارحین کا تسلسل بیان کیا ہے۔ (6) اور ان شارحین کی آخری کڑی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''امامِ ربانی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں میں ایسے فاضل پیدا ہوئے، جو یونانی اور ہندوستانی فلسفہ اور امامِ غزالیؒ (7) اور علامہ جلال الدین دوانیؒ (8) کی تحقیقاتِ اسلامیہ کے مالک تھے۔ (جیسا کہ میر زاہد ہروی اور شاہ عبدالرحیم دہلویؒ تھے) اس جماعت کے علم بردار بعد میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز (9) پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنا اسلامی فلسفہ مکمل کر لیا۔ ..شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ دینی علوم کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اس لیے وہ ہر جزوی مسئلے کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے زمانے کے بعد ہندوستان کا یورپین سائنس سے تعارف ہوا۔ اس حملے کی برداشت فقط شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفے میں تھی، مگر بدقسمتی سے جس طرح مسلمانوں کی سیاست بکھر گئی تھی، اسی طرح ان کی علمی قوت بھی پریشان (منتشر) ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ ایک راستے پر جلدی سے سیدھے نہیں چل سکے۔

(حضرت الامام) شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پس ماندہ (پیچھے رہ جانے والے) لوگوں میں ایک حکیم پیدا ہوئے، جن کا نام (حجۃ الاسلام) مولانا محمد قاسم (نانوتوی) قدس سرہٗ العزیز تھا۔ (10) وہ مدرسہ دیوبند کے بانی اور علومِ اسلامیہ کی از سرِ نو اشاعت کرنے والے تھے۔ .....اس میں شک نہیں کہ آپ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے اسکول کے بہترین ترجمان تھے اور آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک کافی تعداد چھوڑی۔ آج ہندوستان کی مذہبی علمی قوت کا اچھا بقیہ (باقی رہنے جانے والے) وہی لوگ ہیں، جو اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے مربوط جانتے ہیں۔'' (11)

2۔ قرآنی تعلیمات کا مرکزی فکر و فلسفہ؛ توحیدِ الٰہی

دین اسلام قرآن حکیم کی صورت میں انسانی سوسائٹی کی تشکیل کے لیے جامع تعلیمات پیش کرتا ہے۔ ان تعلیمات کا مرکزی نقطہ اور فکری مرکزہ ''توحیدِ ذاتِ باری تعالیٰ'' ہے۔ سورت الاخلاص توحیدِ الٰہی کی اصل حقیقت و ماہیت اور اس کے ساتھ انسان کی وابستگی کی صحیح نوعیت کی وضاحت کرتی ہیں۔ اس سورت میں توحیدِ الٰہی کی ایسی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی دوسرے دین کی کتاب میں ایسے بہترین انداز میں توحیدِ الٰہی کی پوری نوعیت واضح نہیں کی گئی۔ اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''دین اسلام کی تعلیمات کے تمام افکار کا مرکز فقط ''اللہ ربّ العزت کی توحید'' ہے۔ سورت الاخلاص کا یہی معنی ہے۔ اس سورت میں توحیدِ الٰہی ایسے انداز میں بیان کی گئی ہے کہ گویا کہ تمام مذاہب کی کتابوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ توحیدِ الٰہی کو تمام اسلامی افکار کا مرکز قرار دینا، دراصل فلسفے کے اجزا میں سے ایک مرکزی اور بنیادی جز (یعنی مرکزی نقطے) کا متعین کر دینا ہے۔'' (12)

مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ مزید فرماتے ہیں:

قرآنی نظام فکر (Ideology) میں توحیدِ الٰہی مرکزی نقطہ ہے جس کا خلاصہ ''سورۂ اخلاص'' میں دیا گیا ہے۔ یہ مرکزی فکر کسی خاص محدود معاشرے کی تنظیم کے لیے نہیں بلکہ ساری نوع انسانی کی تنظیم کے لیے ہے۔...اس لحاظ سے یہ سورت بے نظیر ہے۔'' (13)

توحیدِ الٰہی قرآنی نظامِ فکر کا مرکزی نقطہ ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کے تمام اجزا، دائروں کی صورت میں اس کے ساتھ مربوط ہیں۔ پہلا دائرہ کمالاتِ الٰہی کا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک چار کمالات، یعنی ''ابداع''، ''خَلق''، ''تدبیر'' اور ''تدلّی'' بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام کمالات اس کائنات کی تخلیق اور اس کے مربوط نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دوسرا دائرہ شعائرِ خداوندی کا ہے۔ چناں چہ تدلّیِ الٰہی چار شعائر: ''بیت اللّٰہ''، ''رسول اللّٰہ''، ''صلوٰۃ اللّٰہ'' اور ''کتاب اللّٰہ'' پر مشتمل ہے۔ پھر کتاب اللہ میں انسان کی تربیت چار بنیادی اَخلاق یعنی ''طہارت''، ''اِخبات''، ''سماحت'' اور ''عدالت'' بیان کیے گئے ہیں۔ پھر عدالت کی اساس پر انسانی زندگی میں چار ارتفاقات: اول، دوم، سوم، چہارم قائم کیے جاتے ہیں۔ اس طرح توحیدِ الٰہی کے مرکزی نقطے کے ساتھ دین اسلام کی تعلیمات کے تمام افکار و خیالات مربوط نظامِ فکر کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

(الف) اللہ کی وحدانیت کا اعتراف

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کرے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے مقامِ احدیت کو پوری فدویت اور سپردگی کے ساتھ تسلیم کرے۔ چناں چہ سورت الاخلاص کی سب

سے پہلی آیت اسی حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک مسلمان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ پکار اٹھے:
''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' (تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہی ہے!)
مولانا سندھیؒ اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا ایک وجود ہے جو کائنات کے وجود کے ایک ایک ذرّے کا مصدر و منبع ہے۔ ایسے ہی کائنات میں جو تدبیر جاری ہے اس کے پس منظر (Background) میں بھی اس ذات واحد ہی کا ذہنِ عظیم کارفرما ہے۔'' (14)

''احدیت'' کا مفہوم واضح کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''تمام عقل مند بآسانی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ عربی میں جو ''واحد'' کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ''ایک''۔ اس کے مقابلے میں اور لفظ اسی مفہوم کے آسکتے ہیں، مگر ''احد'' (یکتا) کے مقابلے میں کوئی لفظ آہی نہیں سکتا۔'' (15)

زوال پذیر قوموں میں کائنات کے مرکز کے تعین کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو وہ شرک و ثنویت (Dualism) میں مبتلا ہو جاتی ہے اور توحیدِ باری تعالیٰ اور اس کے ''مقامِ احدیت'' سے دور جا گرتی ہے۔ نظریے اور فکر کی عدمِ وحدت اُن کی سماجی عدمِ مساوات اور سیاسی و اقتصادی انتشار پر منتج ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے اس آیتِ مبارکہ میں توحیدِ الٰہی کو بنیادی حیثیت دے کر شرک اور ثنویت (Dualism) کا بھی ردّ کیا ہے۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''جب کوئی قوم اپنے بلند ترین انسانی نصب العین (دین) سے گر جاتی ہے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر مذہبی جماعتوں میں شرک عموماً ''ثنویت'' (Dualism) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کوئی ناقص فلسفی جماعت یہ سمجھ نہیں سکتی کہ خیر اور شر ایک ہی مرکز سے نکل سکتے ہیں۔ وہ ان کے لیے جدا جدا مرکز مان لیتی ہے۔ جیسے ''زرتشت'' کی جماعت نے، جو شروع شروع میں مذہبی جماعت تھی، جب فلسفیانہ مسلک اختیار کر لیا تو اس نے ''خیر'' کا ایک مرکز مانا اور اسے ''اَہورمُزد'' یا ''یزدان'' کہا اور ''شر'' کا دوسرا مرکز قرار دیا، اسے ''اہرمن'' کہا۔ یہ اہلِ فلسفہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ خیر اور شر ایک مرکز سے کس طرح صادر ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ اس مسئلے پر کائنات گیر ذہن سے غور کرتے تو وہ تصور کر سکتے تھے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اپنی جگہ مفید ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک نوع کے لیے مفید ہے اور دوسری کے لیے غیر مفید یا مضر۔ کون نہیں جانتا کہ: "One Man's Meat Another's Poison" (ایک شخص کی خوراک، دوسرے کے لیے زہر کی حیثیت رکھتی ہے) اس لیے کسی شے کو ''شرِ مطلق'' (Absolute Evil) کی ذیل میں لانا غلط ہے۔ اس طرح ہر ایک شے کا وجود ایک مرکز

سے ماننا حکمت عالیہ کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے۔'' (16)

(ب) ہر طرح سے پناہ دینے والی ذاتِ الٰہی کے ساتھ گہری وابستگی

مقامِ احدیت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی واحد پناہ دہندہ حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔ اور کائنات کی باقی تمام چیزوں ___ جو کسی نہ کسی بالائی طاقت کے زیر اثر ہیں ___ سے علاحدگی اختیار کر کے اُسی پناہ دینے والی ذاتِ الٰہی کے ساتھ اپنی وابستگی پیدا کی جائے، جو کسی اور طاقت کی محتاج نہیں ہے۔ اور ہر طرح سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوقات کے لیے مقامِ پناہ ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (اللہ بے نیاز ہے۔)

''صمد'' کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''صمد'' اُسے کہتے ہیں، جس کی تمام چیزیں محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ یہ لفظ پہلے ایسی چٹان یا پہاڑ کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا، جس کی پناہ لے کر لشکر والے جنگ کرتے تھے۔ یعنی لشکر کے پیچھے یہ ٹھوس طاقت چٹان یا پہاڑی کی شکل میں ہوتی تھی۔ تاکہ لشکر اس کو اپنی پشت پناہ سمجھ کر میدانِ جنگ میں بے خوف لڑے اور پیچھے سے خطرہ نہ ہو۔ اس کے بعد ''صمد'' کا لفظ اُس سردار کے لیے وضع کیا گیا، جس کی پناہ میں جانے کے بعد کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا۔ اور جہاں تک اس زندگی کا تعلق ہے، اسے کوئی شخص ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بعد قرآن مجید نے اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا۔ کیوں کہ اس درجے پناہ لینا اور کسی دوسری طاقت سے متأثر نہ ہونا، صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ اور کسی دوسری طاقت میں یہ بات نہیں۔... فلسفیانہ طور پر اس کا ترجمہ ہے: ''واجب الوجود۔'' (17)

مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ مزید لکھتے ہیں:

''مذہبی جماعتیں مرکزی طاقت تو ایک ہی تسلیم کرتی ہیں، لیکن جب وہ شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو بعض ذیلی طاقتیں ایسی بھی مان لیتی ہیں، جنھیں مرکزی طاقت چھوڑ نہیں سکتی۔ ان ذیلی طاقتوں کے تقاضوں کو ماننا مرکز کے لیے ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک انسان پیدا کیا اسے اپنے قرب کا درجہ عطا فرمایا۔ اب وہ شفاعت کرے تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کر سکتا)۔ اس آیت میں اسی قسم کے مشرکانہ فکر کا رد کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے کوئی انسان کتنا ہی معزّز کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق کام کرنے پر مامور ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات بالجبر (زبردستی) منوا لے۔'' (18)

اس طرح انسان، دنیا کی تمام طاقتوں، افراد و شخصیات کے اثر سے نکل کر صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی طاقت و قدرت اور بلند و بالا ذات کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے خدا کے حکم کے خلاف

چلنے کے لیے مجبور اور مرعوب نہیں کرسکتی۔ یہی توحیدِ خالص ہے، جس کی دعوت انبیا علیہم السلام دیتے ہیں۔

(ج) تمام احتیاجات سے پاک ذاتِ باری تعالیٰ کے سامنے سپردگی

عام طور پر انسانی زندگی میں احتیاجات کی تین سطحیں ہوتی ہیں:

1۔ والدین: ان کے ذریعے سے انسان پیدا ہوتا ہے، اور اپنے وجود اور اپنی پرورش کے لیے اُن کے وجود کا محتاج ہوتا ہے۔

2۔ اولاد: جو انسان سے پیدا ہوتی ہے، انسان اُن کی وجہ سے بعض کاموں کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

3۔ برابر کی طاقت رکھنے والے انسان: بسا اوقات ان کی وجہ سے مجبور ہو کر انسان کوئی کام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذاتِ واحد انسانی زندگی میں موجود اس طرح کی تمام احتیاجات سے پاک ہے۔اس لیے اسے اس ذاتِ واحد پر پورا اعتماد رکھنا چاہیے، جو کہ بے مثل ہے۔ اسی لیے اسی کے سامنے سپردگی اختیار کرنا ہے۔ چناں چہ سورت الاخلاص کی درج ذیل آیات میں اسی حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے:

لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

(نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔اور نہ اس کے برابر کوئی ہے۔)

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''صفاتِ الٰہی سے متعلق بڑی غلط فہمی کو قرآن مجید نے اس طرح ردّ کیا کہ نہ تو اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی باپ ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ اس کو تمام چیزوں کا مرکز مان لیا جائے۔'' (19)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کام کر رہی ہیں۔ اس کی تجلیات یوں تو ہر ایک انسان کے قلب پر پڑتی ہیں، لیکن جس انسان کے قلب پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علوم حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح تحصیل علوم کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ ایسے خاص افراد کو ''انبیا'' کہتے ہیں۔ گری ہوئی مذہبی جماعتیں اس نظام کو نہیں سمجھتیں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو خدا کا ''بیٹا'' کہنے لگ جاتی ہیں۔ حال آں کہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہوسکتا ہے۔

''ثَنوِیت'' (Dualism) کا ایک درجہ تو وہ تھا جس میں خیر و شر کے الگ الگ مرکز مان لیے گئے تھے۔ اس کا ردّ پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ کوئی کمزور طاقت ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے برابر ہوگئی ہے۔ قدیم یونانیوں کا یہ عقیدہ تھا۔ اور ہندوؤں میں بھی اکثر

اسی قسم کی افکار پائے جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے ان میں ''بت پرستی'' یا ''دیوتا پرستی'' رائج ہوگئی۔ اس آیت میں ان کا رڈ کیا گیا ہے۔

غرض اس مختصر سورت میں: (۱) ثَنوِیت (Dualism) (۲) شفاعتِ مُطلقه (غیراللہ کے لیے خودمختار شفاعت) (۳) اِبنِیّت (خدا کا بیٹا ماننا) اور (۴) بُت پرستی یا دیوتا پرستی کا پورا پورا رڈ کر دیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہی وجود (تمام موجودات) کا ''مصدر مطلق'' (کلی طور پر صادر کرنے والا) ہے۔ اور اسی کی تجلیات کائنات میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک امر پر قرآن حکیم کی سورتوں میں مفصل بحثیں آ چکی ہیں۔ سورتِ اخلاص گویا ان تمام بحثوں کا خلاصہ (Epitome) ہے۔'' (20)

اس طرح سورتِ اخلاص میں دین اسلام کے تمام افکار و تعلیمات کا مرکزی نقطہ ''توحیدِ الٰہی'' کو قرار دے کر اس کی مرکزی اور بنیادی حیثیت کا تعارف کرادیا گیا۔ اور اس مرکزی فکر کی روشنی میں انسانی سوسائٹی میں ایک انقلابی جدوجہد کی داغ بیل ڈال دی۔

(د) توحیدِ الٰہی کے مرکزی فکر کا انقلابی غلبہ

سورت الاخلاص نے عرب معاشرے میں توحیدِ الٰہی پر مبنی ایک مرکزی فکر کی نشان دہی کر دی۔ چناں چہ سب سے پہلے عربوں نے اس پر پوری یکسوئی کے ساتھ ایمان لا کر ایسی منظّم اقتصادی اور سیاسی قوت و طاقت پیدا کر لی، جس کے مقابلے پر کسی دوسرے فکر کی اقتصادی اور سیاسی قوت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور اس نے نہ صرف گزشتہ تمام ذہنیتوں اور افکار کی کجی کو ختم کر کے رکھ دیا، بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایک مستحکم اور عالمی انقلاب برپا کر دیا۔ اور دنیا پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''جن اہل مکہ کا اس سورت پر ایمان بن گیا وہ اور کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ قرآن حکیم کے دیے ہوئے توحید کے سبق کو تو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ اب ان میں کسی قسم کی بھی مشرکانہ ذہنیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور اس مشرکانہ ذہنیت کی خاطر جو اقتصادی طاقت پیدا ہوتی، وہ عود (واپس لوٹ کر) نہیں آ سکتی۔ اور یہ اقتصادی طاقت جس سیاسی طاقت کی بحالی کی کوشش کرتی، وہ کبھی وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس طرح سے قرآنی ذہنیت عرب میں مستحکم (اور پختہ) طور پر قائم ہوگئی۔'' (21)

مولانا سندھیؒ مزید فرماتے ہیں:

''قرنی انقلاب کے مخالفین کی سیاسی اور اقتصادی شکست کے نتائج کی تکمیل کے لیے قرآن حکیم نے اپنے نظریۂ توحید کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ عرب کی مشرکانہ ذہنیت بالکل برباد ہوگئی اور قرآنی ذہنیت ان پر غالب آئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا مشرکانہ ذہنیت کی طرف لوٹنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ (22) یعنی ''اب تمہارے نظام حیات کے منکر (کافر) اس بارے میں قطعاً مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں گے۔''

خالق کے متعلق فکر کو اس طرح صاف کرنے کے لیے __ کہ شرک کی گنجائش مطلق باقی نہ رہے __ قرآن حکیم کی یہ سورت اخلاص نہایت جامع ہے۔'' (23)

3۔ توحیدِ الٰہی کے اس فکر کا کائنات میں پھیلاؤ

سورت الاخلاص میں دین اسلام کے بنیادی فکر اور مرکزی نقطے، یعنی توحیدِ الٰہی کی ٹھیک ٹھیک نوعیت واضح کردی گئی۔ اب فلسفہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اسی مرکزی نقطے، یعنی ذاتِ الٰہی کے ساتھ تعلق رکھے ہوئے ہے۔ مخلوقات میں سے سب سے بہترین مخلوق انسان کا بھی اسی ذات کے ساتھ تعلق رکھنا، اس کی فطرت ہے۔ چناں چہ انسان سے یہ کہا گیا کہ وہ دل و جان سے پکار کر اُس ذاتِ واحد کے ساتھ اپنے تعلق کا اعلان کرے۔ چناں چہ انسان کی نسبت سے کائنات کے جتنے امور ہیں، اُن میں انسان کی ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی درست نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ اس کی وضاحت ''سورت الفلق'' میں بیان کی گئی ہے۔ اس طرح توحیدِ الٰہی کے بنیادی فکر اور مرکزی نقطے کا کائنات کے ساتھ ربط و تعلق واضح ہوجاتا ہے۔ اس طرح دینی فلسفے کے ایک اہم حصے کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ سورت الفلق کے حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''فلسفے کا اہم حصہ یہ ہے کہ تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا جائے۔ اس کے متعلق اس سورت (الفلق) میں بحث ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کو ایک مرکز سے ربط دے دینا، اس سورت میں بتلایا گیا ہے۔ یہ ایک فطری بحث ہے کہ تمام کائنات میں انسان اپنی ضرورت کے مطابق چیزوں کے متعلق غور کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اس میں دماغی قوت ہی نہیں۔ یعنی جن چیزوں کی اسے ضرورت ہے، انھی کے متعلق وہ غور کرتا ہے، باقی کے متعلق نہیں۔ کیوں کہ انسان میں یہ فطری تقاضا ہے کہ پہلے وہ ''شر'' (نقصان دہ چیزوں) سے بچنے کی تجویزیں سوچتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ''جس چیز کا میں تمھیں حکم دوں، تم اپنی توفیق، طاقت اور استطاعت کے موافق اطاعت کرو۔ اور جس چیز سے میں منع کروں، اُس سے بالکل ہٹ جاؤ۔'' (24) اسی لیے ضرر (نقصان) دینے والی اشیا سے بچنا ضروری ہے۔ جب شر سے بچ گیا، تو آگے منفعت (فوائد) کے ہزاروں دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ گویا یہ سورت ''فلسفہ وحدت الوجود'' (25) کا تتمہ ہے، جو سورتِ اخلاص میں تھا۔'' (26)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''توحید کو ایک نظریے کے طور پر بیان کردیے جانے کے بعد ضروری ہے کہ یہ واضح کردیا جائے کہ

یہ اصولِ توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے۔ چناں چہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔
...انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے اس کے دو رُخ مقرر کیے جاسکتے ہیں۔

1۔ انسان کو اس عالم (کائنات) کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

2۔ انسان کو اس عالم (کائنات) کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے سے ہونی چاہیے۔ دفع مضرت (نقصان سے بچنے) کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں وہ منضبط (یک جا) کر لیے جائیں۔ اور ان میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے، اس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی انسان کو ہر ایک قسم کے شر (اور نقصان) سے بچا سکتا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آجاتا ہے کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔

اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی ''سورتِ فلق'' کا موضوع ہے۔'' (27)

(الف) کائنات میں جاری ہمہ گیر عملِ انفلاق

کائنات کے ارتقا اور نشو و نما کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عالم گیر نظام قائم کیا ہے، اس نظام کا اہم ترین عمل ''الفلق'' ہے۔ یعنی ایسا عالم گیر عملِ انفلاق (Fission) ہے، جو کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی پیدائش، ارتقا اور نشو و نما میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ربوبیت کے ذریعے سے اس عمل کو محفوظ طریقے سے کائنات میں جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسی لیے اُسے اس سورتِ مبارکہ میں ''ربّ الفلق'' کہا گیا ہے۔ چناں چہ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل و جان سے اُس ربّ الفلق کی پناہ میں آنے کا اعلان کرے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِۙ۝۱ (کہہ دے کہ میں چیر کر پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں)

''ربّ الفلق'' کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''(فلق) چیر کر پیدا کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں۔ تمام مخلوقات ایک دوسرے سے چیر کر پیدا ہوتی ہیں۔ چیر کر پیدا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کی پناہ میں آتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز ہمیں ضرر نہ پہنچائے۔ ہر چیز کے اوّل درجے کا فائدہ یہی ہے کہ اُس سے ضرر نہ پہنچے۔'' (28)

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''تمام مادی اشیا کی تخلیق میں عمل انفلاق (Fission) کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ عمل ساری کائنات میں جاری ہے۔ خود کائنات کے متعلق حکما کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی ایک بہت بڑے انفلاق (Big Bang/Explosion) سے شروع کی۔ اس کے نتیجے کے طور پر سحابے (Nebulae) وجود میں آئے۔ اور پھر ان کے انفلاقات (Fissions) سے تمام ستارے (سورج) پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہمارے سورج کے ایک ساتھی کے انفلاق (Fission) سے سیارے بنے، جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے۔ اس کے بعد زمین کے کسی انفلاق (Fission) سے ہمارا چاند وجود میں آیا۔

اسی طرح سے اعضا والے جانداروں (Organisms) میں خلیات (Cells) کے پھٹنے (Fission) سے مرکب ابدان پیدا ہوتے ہیں۔ تمام حیوانات میں خلیات کے پھٹنے سے ہی نشوونما کا عمل ہوتا ہے۔ اور دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے ہی پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط (29) (دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا) بتایا گیا ہے۔

عملِ انفلاق کے عالمگیر نظام کے خالق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تدبیر اور کائنات گیر قدرت کا اس سے بہتر تصور نہیں دیا جاسکتا، جیسا اس آیت میں دیا گیا ہے۔ پھر یہ عملِ انفلاق (Fission) محض تخریبی نہیں ہے بلکہ تعمیری بھی ہے اور ''نظام ربوبیت'' کا مددگار ہے۔ اس حیثیت سے بھی نظام انفلاق (System of Fission) کی عظمت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر قسم کے شر (نقصان) سے پناہ کا مرکز بن سکتا ہے۔'' (30)

اس سورت میں عملِ انفلاق (Fission) کے نتیجے میں کائنات کی نسبت سے انسان کے لیے جو ممکنہ شر اور نقصان دہ چیزیں ہوسکتی ہیں، اُن سے پناہ میں آنے کے لیے دعا کی جا رہی ہے۔ انسانوں کے لیے ممکنہ طور پر چار شرور وفتن ہوسکتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کی حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے اللہ کی پناہ میں آنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان کی تمثیلی انداز میں تشریح کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ جب میں کوئی نیا پودا زمین کو شق (پھاڑ) کرتا ہوا تخم (بیج) سے باہر نکلتا ہے، تو باغبان (یا مالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کردیتا ہے۔ اور جب تک وہ جملہ آفاتِ ارضی وسماوی (تمام آسمانی اور زمینی نقصان دہ چیزوں) سے محفوظ ہوکر اپنے حدِ کمال (تکمیل) کو نہیں پہنچ جاتا، اس وقت تک بہت زیادہ تردّد (محنت) اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کردینے والی یا اُس کے ثمرات کے تمتع (فوائد) سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون سی آفات ہیں، جن کے شر اور مضرت (نقصان) سے بچا لینے میں

باغبان کو اپنے مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تأمّل (تھوڑے سے غور و فکر) سے معلوم ہوجائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن کے انسداد (روکنے) کے لیے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے:

اوّل: ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن (دانت اور منہ) کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے، جن کی جبلت (فطرت) اور خلقت (طبیعت) میں سبزہ و گیاہ (گھاس) کا کھانا داخل ہے۔

دوسرے: کنویں یا نہر یا پانی اور ہوا اور حرارتِ آفتاب (غرضے کہ تمام اسبابِ زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔

تیسرے: اوپر سے برف، اولہ وغیرہ، جو اس کی حرارتِ غریزیہ (طبعی توانائی) کے اختقان (ختم کرنے) کا باعث ہو، اس پر گرنے نہ پائے۔ کیوں کہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشو و نما کو روکنے والی ہے۔

چوتھے: باغ کے مالک کا دشمن یا کوئی اور حاسد اس پودے کی شاخ و برگ (ٹہنیوں اور پتوں) وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے، یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔

اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا، پھلے پھولے گا اور مخلوق اس کی پُر میوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی۔

ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سما سے، جو ''ربّ الفلق'' اور ''فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ'' (گٹھلی اور دانے کو پھاڑ کر پیدا کرنے والا) اور چمنستانِ عالم کا حقیقی مالک اور مربی ہے، اپنے شجر وجود (انسانی وجود کے تسلسل) اور شجر ایمان کے متعلق اِن ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیے، جو اوپر مذکور ہوئیں۔'' (31)

حضرت نانوتویؒ کی اس تقریر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) نے اس سورت کے مضامین کو (ایک) تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے:

1۔ باغبان ایک پودا لگاتا ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں، ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے۔ مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں، یہ ان کی طبعی غذا ہے۔ ان کی جو طبیعت ہے اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لیے اس کے گرد باڑ لگا دے۔

2۔ پودے کے بڑھنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے تو پودا اسی طرح فنا ہو جائے گا، جس طرح جانوروں سے نہ بچائے جانے کی صورت میں فنا

ہو جاتا۔

3۔ بیرونی آفتیں مثلاً برف، شدید گرمی، بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کرسکتی ہیں۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بھی بچائے۔ اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا تو وہ جس طرح چارپائے (جانور) کے حملے سے یا غذا کے بہم نہ پہنچنے سے ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس آفت کا شکار ہو کر بھی ہلاک ہوسکتا ہے۔

4۔ ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے۔ وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اگر پودے کو اس کی چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے تو بھی پودا اسی طرح سے فنا ہو جائے گا، جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔

یہ پودے کی زندگی کی (چار) طبعی منزلیں ہیں۔

انسان کو ایک پودا مان لیا جائے تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہوگی۔ انہیں ذہن میں رکھ کر خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصان پہنچ سکتے ہیں اُن سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔''(32)

(ب) مادی ترقی کی راہ میں حائل مخلوقات میں موجود طبعی شر سے بچاؤ

اس کائنات میں اللہ نے بہت سی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ اصولی طور پر تمام مخلوقات اپنے اندر کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو رکھتی ہیں، لیکن مخلوقات کے درمیان مختلف امتیازات اور خصوصیات کی وجہ سے ان میں باہم ٹکراؤ بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایسی صورت میں نوعِ انسانیت کو نقصان پہنچانے والی مخلوقات کے شر سے انسان کو بچانا بڑا ضروری ہے۔ چناں چہ ایک انسان ''ربّ الفلق'' کی پناہ میں آتے ہوئے سب سے پہلے مخلوقات کے شر سے بچنے کا اعلان کرتا ہے:

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ (ہر ایک چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی۔)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''جس چیز کی مخلوقیت (پیدائش) میں انسان کے لیے شر ہے (جیسے سانپ بچھو وغیرہ)، اس کے شر سے بچنے کے لیے ''رَبُّ الْفَلَقْ'' کی پناہ میں آتا ہوں۔ یہ پودے کی زندگی کی وہی منزل ہے جب اسے اُن چیزوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی طبیعت میں پودے کے لیے شر ہے۔'' (33)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے:

''یہ بات یاد رہے کہ سبزہ کھانے والے جانور جب پودے پر حملہ آور ہوتے ہیں، تو ایسا دراصل ان

کے طبعی اور پیدائشی جبلت کے تقاضے سے ہوتا ہے، جیسا کہ آیت کا مفہوم بھی اس بات کا اشارہ دیتا ہے۔ چناں چہ کہا گیا ہے کہ بچھو کا ڈنگ کسی اور وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کی طبیعت کا یہی تقاضا ہے۔'' (34)

(ج) مطلوبہ اشیا نہ ملنے کے شر سے بچاؤ

کائنات میں انسان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی پرورش کے لیے بہت سی اشیا مطلوب ہوتی ہیں۔ ان کا ایک تسلسل کے ساتھ ملتے رہنا ضروری ہے۔ خاص طور پر سورج کی روشنی اور حرارات ایک ایسی ضرورت ہے، جس سے نہ صرف کرۂ ارض پر موجود تمام اشیا کی نشو و نما جاری و ساری ہے، بلکہ نوعِ انسانیت کی ترقی اور ارتقا کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔ انسانوں کی غذا، ان کی توانائیوں کے نتائج، اُن کے علم و فکر کی جولانیاں اور عمل کے محرکات کے پیچھے روشنی کی توانائی اور حرارت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر یہ مستقل طور پر ختم ہو جائے تو نوعِ انسانیت ہی نہیں، کرۂ ارض کی تمام مخلوقات ٹھٹھر کر رہ جائیں۔ اس لیے رات کے وقت عارضی طور پر ختم ہونے والی اس روشنی کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگی گئی:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''حدیث میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ: ''یہ ہے غاسق۔'' (35) اس سے اشارہ ہے تمام ایسی قوتوں کی طرف، جن کے نہ ہونے سے ہمیں ضرر (نقصان) پہنچے۔ جیسے نباتات کو پانی یا غذا نہ ملے تو وہ سوکھ جاتے ہیں اور چاند کی روشنی نباتات کو ایک طرح کی زندگی بخشتی ہے۔ تو جب یہ گم ہو جائے گی تو زندگی کا ذریعہ نہ ہونے سے نباتات کو ضرر پہنچے گا۔ اسی طرح ہماری ضروریاتِ زندگی نہ ہونے سے جتنے ضرر پہنچ سکتے ہیں، اُن سے بھاگ کر ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں کہ وہ ہمیں ان ضرروں (نقصانات) سے بچائے اور ہماری زندگی کی جس قدر ضروریات ہیں، انھیں ہمارے لیے مہیا کر دے۔'' (36)

مولانا سندھیؒ ایک دوسری جگہ مزید فرماتے ہیں:

''جب چاند غروب ہو جاتا ہے اور رات تاریک ہو جاتی ہے، اس کی روشنی سے پودے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی (روشنی کے سبب سے) انسانیت کو ''غذا'' پہنچانے والی جتنی چیزیں ہیں، مثلاً صحیح علم، علم کے مطابق عمل کا صحیح نمونہ، ان کے فقدان سے جو نقصان انسان کو پہنچ سکتا ہے وہ ہماری اس مثال کے کلیے (کلی قانون کے ذیل) میں آ جاتا ہے۔ ہمیں تمام ایسی چیزوں اور سامانوں کے نہ ملنے سے ــــ جن سے ہماری انفرادی، اجتماعی اور نوعی پرورش ہوتی ہے، جو اور جس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے ــــ بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔'' (37)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''دوسرے درجے میں "غاسق إذا وقب" (رات جب چھا جائے) سے تعوّذ (پناہ مانگنے) کی تعلیم دی گئی ہے۔ مفسرین کے نزدیک جس سے مراد یا تو ''رات'' ہے، جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے، جب غروب ہوجائے، یا چاند ہے، جب اس کو گہن (گرہن) لگ جائے۔ اِن میں سے کوئی معنی لو، اتنی بات یقینی ہے کہ "غاسق" میں سے "شر" کا پیدا ہونا، اس کے "وقوب" (کسی چیز کے نیچے چھپ جانے) پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہے "وقوب" (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ (تعلق) ہم سے منقطع (ختم) ہوجائے۔ اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے، وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے، تو یہ تمثیل (مثال) اسباب و مسببات (CAUSE & EFFECTS) سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیوں کہ مسبّب (EFFECT) کا وجود اسباب و معدّات (CAUSE) کے وجود پر موقوف ہوتا ہے۔ اور جب تک اسباب کا علاقہ مسبّبات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہرگز کوئی مسبّب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور یہی وہ بات ہے، جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ: ''پانی، ہوا اور حرارتِ آفتاب کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہوا، تو وہ پودا کملا کر خشک ہوجائے گا۔'' (38)

(د) صحیح علم و فکر میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے بچاؤ

نوعِ انسانیت کے لیے صحیح علم و فکر کی بڑی اہمیت ہے۔ انسانی زندگی کے تمام اعمال کے لیے درست علم و فکر کا پختہ یقین اور عزم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کا پیدا ہونا، انسان کے عزم کو متزلزل بنانے کا سبب بنتا ہے، جو اس کے تمام اعمال میں کوتاہی اور خرابی پیدا کردیتا ہے۔ اس لیے نوعِ انسانیت کو اس قسم کے شکوک و شبہات کے شر سے بچانا بھی ضروری ہے۔ انسانوں کے لے تیسرا "شـــــر" یہ ہوسکتا ہے کہ خود انسانوں میں ایسی جماعتیں موجود ہوں، جو انسانی سوسائٹی کی سماجی تشکیل میں کارفرما درست علم و فکر اور عمل و کردار میں شکوک و شبہات پیدا کریں۔ ایسا ہونا انسانیت کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے ایسی جماعتوں کے شر سے بچنے کا اعلان کیا گیا:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

"نَفثٌ": ''پھونک مارنا''، (اس کی جمع) "نفاثات": ''پھونکیں مارنے والیاں''۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے، یہ جماعت کے لیے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہوگئے کہ عورتیں جو پھونکیں مار کر "جـــادو" کرتی ہیں۔ یہ اس عمل کی (صرف) ایک مثال ہے اس کی دوسری مثال (سوسائٹی میں

موجود انسانی) جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

''عُقَد''، ''عقدۃ'': (بہ معنی گرہ) کی جمع۔ اگر ''نفاثات'' سے مراد عورتیں لی جائیں تو ''عُقد'' سے مراد ''دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں'' ہوسکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد ''جماعتیں'' لی جائیں تو ''عُقد'' سے مراد ''پختہ خیالات'' ہوں گے، جنھیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ یا ایمان ہوتا ہے جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی، اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا۔ اور وہ اتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کرسکے گا۔

پراپیگنڈا کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈا کرتی ہے۔ وہ ایک فکر (اور سوچ) لوگوں کے کانوں میں پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈا کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈے کے زور سے انسان کے زندگی بخش پروگراموں کو نکما (اور بے کار) ثابت کرکے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ و تفنگ کی طاقت سے زیادہ مؤثر مانی گئی ہے۔ ایام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈا (Cold War) یا اعصابی جنگ (War of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے، اور 1/10 طاقت آلات کے ذریعے جنگ (Hot War) کی، جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔

انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لیے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے جو پودے کے لیے (نقصان دہ اشیا مثلاً) برف وغیرہ کا۔'' (39)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد تیسرا تعوّذ (اللہ کی پناہ میں آنا) ''نفاثات فی العقد'' سے کیا گیا، جس سے، مَیں کہہ چکا ہوں کہ (ہر طرح کے) ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر (جادو) کا وجود تسلیم کرتے ہیں، وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہو) کو ایسے امور عارض (درپیش) ہوتے ہیں، جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہوکر دَب جائیں۔ تو سحر کی یہ آفت اُس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی، جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور ''حرارتِ غریزیہ'' (انسان کی طبعی حرارت) کے تحقّن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی۔ جس سے اس کا نشو ونما رُک جاتا تھا۔ لبید ابن عاصم (یہودی) کے قصے میں جو الفاظ (حدیث میں) آئے ہیں: ''فقام علیہ الصلوٰۃ و السّلام کأنّما اُنشط من عقال''

(پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے، گویا کہ آپؐ کے دماغ سے ایک بوجھ اُتر گیا اور نشاط کی کیفیت طاری ہوگئی) ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی (قابض) ہوکر آپؐ کے مقتضیاتِ طبیعت (طبیعت کے تقاضوں) کو چھپا دیا تھا، جو جبرئیل علیہ السلام کے ''تعوّذ'' (اعوذ باللہ پڑھنے) سے ''بإذن اللّٰہ'' (اللہ کے حکم سے) دفع ہوگئی۔'' (40)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس آیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(اے اللہ!) ہمیں اُن جماعتوں کے شر سے بچا، جو پھونک مار مار کر عقلی عقیدے کو کمزور کر دیتی ہیں۔...یعنی اُن جماعتوں کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے، جو اپنے غلط پراپیگنڈے سے انسان کی فطری ترقی کو روکتی ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان میں (برطانوی تسلط کے زمانے میں یہ) پراپیگنڈا کیا گیا کہ یورپین اقوام بہت بڑی چیز ہیں اور ہندوستانی (برصغیر کے لوگ) ان کا کبھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس غلط پراپیگنڈے نے ہماری ذہنیت برباد کردی۔ ہماری کمر توڑ دی اور ہمیں پست ہمت بنا دیا۔حتیٰ کہ ہم اپنی ہستی کو بھول گئے۔ اس کی مثال عالم نباتات میں ایسی ہوگی، جیسے اوپر سے برف گر رہی ہے۔ اس طرح کا جو پراپیگنڈا ہوتا ہے، اسے عربی میں جادو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی تندرست ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ کام نہیں کرسکتا، حال آں کہ وہ کام اس کی طاقت کے اندر ہے۔ اس حالت کو عربی میں جادو سے تعبیر کیا جائے گا کہ اس پر سحر ہوگیا ہے۔ اور پراپیگنڈے کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ وہ صرف ایک آدمی ہی نہیں، بلکہ قوموں کی قومیں سمجھنے لگ جاتی ہیں کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ حال آں کہ وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ تو ایسی تمام طاقتیں جو باہر سے اثر ڈال کر ہماری ترقی کو روک دیں، ہم ان کے ضرر سے خدا کی پناہ میں آتے ہیں۔'' (41)

(ھ) حاسدین کے حسد کے شر سے بچاؤ

انسانی ترقی کے راستے کی ایک رُکاوٹ یہ بھی ہے کہ انسانوں میں سے کچھ انسان ایسی مریضانہ ذہنیت رکھتے ہوں کہ انھیں انسانوں کی مجموعی ترقی اور ان کی کامیابی ایک آنکھ نہ بھائے اور حسد کی وجہ سے انسانیت کی ترقی کے راستے میں رُکاوٹیں کھڑی کریں۔ اور صحیح علم وفکر اور درست سیرت و کردار والی جماعتوں کے لیے عداوت اور دشمنی اختیار کریں۔ ایسے حاسد انسانوں کے شر سے بچاؤ کے لیے یہ دعا مانگی گئی:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ (اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے)

مولانا سندھیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حسد کی حقیقت بیان فرماتے ہیں:

''حاسد'' کو یہ تکلیف ہوتی ہے کہ فلاں آدمی کو یہ نعمت کیوں ملی، یہ چیز مجھے ملنی چاہیے تھی۔ یعنی

اس سے چھین کر اس (حاسد) کو ملنی چاہیے تھی۔ یہ ہے ''حسد'' کی تعریف۔ غرض حاسد کو نظامِ قدرت پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس شخص کو یہ چیز کیوں دی گئی اور اس کے بجائے مجھے کیوں نہیں دی گئی۔'' (42)

مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ مزید فرماتے ہیں:

''ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے۔ اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس وہ نعمت رہے، لیکن مجھے اس سے بڑھیا (اچھی) مل جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے وہ نعمت یا اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے، لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم حکمت الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی حکمت جسے جو دینا مناسب خیال کرتی ہے، عطا فرما دیتی ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے جسے کوئی نعمت دی گئی ہے، وہ اصل میں نعمت تقسیم کرنے والے پروردگار ''اَلْمُعْطِی'' (عطا کرنے والے) سے دشمنی کرتا ہے۔ محسود (حسد کیے گئے انسان) کے ساتھ اس کی براہ راست کوئی عداوت (دشمنی) نہیں ہوتی۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔ ایسے شخص سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' (43)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اِن آفات میں سے، جن سے تحرُّز (بچاؤ) کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا، صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بنائے عداوت و حسد (دشمنی اور حسد کے سبب سے) پودے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ و برگ (ٹہنیاں اور پتے) اکھاڑ پھینکے۔ ''شــر'' کے اس مرتبے کو اس آیت نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا۔'' (44)

اس سورت کا خلاصہ اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اس مختصر سی سورت میں ان تمام شرور (نقصانات) کا ذکر آ گیا ہے، جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لیے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت (نقصان) سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے، جو کائنات کے کسی گوشے سے انسان کو پہنچ سکتا ہے، بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت ہی سے پہنچ سکتا ہے، اس تصور سے ہر ایک بچے، بوڑھے اور مرد و عورت کے دماغ میں قدرت الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔ اتنا بڑا علم اتنے مختصر الفاظ میں ایسے عام فہم انداز اور مقرون (مناسب) اشیا کے ذریعے سے

بیان کرنے کی مثال قرآن حکیم کے سوا اور کسی جگہ تلاش کرنا بے سود (بے فائدہ) ہے۔'' (45)

4۔ نوعِ انسانی میں توحیدِ الٰہی کا پھیلاؤ

''سورت الإخلاص'' میں توحیدِ الٰہی کو دین اسلام کی تعلیمات کا مرکزی فکر قرار دیا گیا اور ''سورت الفلق'' میں انسان کی نسبت سے کائنات میں اس فکر کے پھیلاؤ کی نوعیت واضح کی گئی، اس کے بعد انسانیت کے ساتھ توحیدِ باری تعالیٰ کے تعلق اور ربط کو ''سورت النّاس'' میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت میں انسانی اجتماعیت کے اہم ترین امور کو توحیدِ الٰہی سے ربط اور تعلق کے تناظر میں سمجھایا گیا ہے۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''سورت الفلق'' میں تمام مخلوقات کو مرکز یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ربط دے دیا۔ اور اب ''سورت النّاس'' میں تمام انسانیت کو اُس مرکز، یعنی اللہ تعالیٰ سے ربط دے دیا گیا ہے۔ یہ ہے فلسفے کا مطلب کہ ایک مرکز (توحیدِ الٰہی) ثابت کر کے پہلے (کائنات کے) بڑے نظام کو اس سے ربط دیا جائے، اور آخر میں انسانیت کو بھی اس سے ربط دے دیا جائے۔ (اس طرح) فلسفہ مکمل ہو جائے گا۔'' (46)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک اور جگہ مزید فرماتے ہیں:

کائنات یا ''شخصِ اکبر'' (Macrocosm) کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانے کے بعد ضروری ہے کہ خود نوعِ انسانی کے اندر اس فکر کا پھیلاؤ دکھایا جائے۔ انسان کو ''شخصِ اصغر'' (Microcosm) کہا جاتا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کائنات کا نمائندہ ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اس کا ذہن کائنات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور حیرت ناک چیز ہے۔ اور اس کا اَنا (Ego) سب سے زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر ہے۔ اس لیے اس کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانا زیادہ ضروری ہے۔ کائنات کے وسیع دائرے کے اندر انسانیت کا دائرہ چھوٹا سہی، لیکن یہ سب سے اہم دائرہ ہے۔ اس کا مرکز بھی وہی توحید خالص ہے جس کا ذکر ''سورتِ اخلاص'' میں آچکا ہے۔

اس انسانی دائرے میں انسانی اجتماعیت کا اہم ترین مقام ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا موضوع (Subject) ہے۔ لیکن اسلام تمام شرائع کو ایک نظام میں جمع کرتا ہے۔ اس لیے اس سورت میں نوعِ انسانی کے دائرے کے اندر توحید باری کو جس وسعت سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب عظیم کا حصہ ہے۔ تمام ادیانِ عالم میں سے صرف اسلام، اجتماعیتِ انسانی کے درجہ کمال پر بحث کرتا ہے۔'' (47)

(الف) توحیدِ الٰہی کے تین دائرے

اپنی اجتماعیت کے حوالے سے بنیادی طور پر انسانی زندگی کے تین شعبے ہوتے ہیں:

1۔ پہلا شعبہ اس کی احتیاجات اور ضروریات کی تسکین کا ہے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی زندگی کی معاشی

احتیاجات کو پورا کرتا ہے اور اقتصادی نظام تشکیل دیتا ہے۔

2۔ دوسرا شعبہ سیاسی حوالے سے حکمرانی کے نظام سے متعلق ہے۔ کوئی انسانی اجتماعیت، سیاسی نظامِ حکومت کے بغیر ترقی نہیں کرتی۔ چھوٹے سے چھوٹے معاشرے میں فیصلہ سازی کا ایک اجتماعی نظام ضرور موجود ہوتا ہے۔ اور اس اجتماعی نظام کی حکمرانی معاشرے کے تمام افراد پر قائم ہوتی ہے۔

3۔ تیسرا شعبہ انسانی معاشروں میں موجود افراد کے درمیان باہمی محبت اور وحدت کا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ محبت و وحدت مسلسل ترقی پذیر ہوتا ہے۔ محبتوں اور چاہتوں پر مشتمل وحدت کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کرتا۔ چناں چہ جذبۂ محبت و وحدت سے ہی انسانی معاشروں میں فکری وحدت اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

انسانی اجتماعیت کے ان تینوں شعبوں کے حوالے سے توحیدِ الٰہی کے تین دائرے ہیں۔ ''سورت الناس'' میں ان تینوں شعبوں کے حوالے سے توحیدِ الٰہی کے تین دائروں کا بیان ہے۔

ان کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''قرآن حکیم کی پیش کردہ اجتماعیتِ انسانی تین اہم مراکز (Co-centric) دائروں میں گھومتی ہے۔ یعنی: 1۔ دائرۂ ربوبیت 2۔ دائرۂ ملوکیت 3۔ دائرۂ اُلوہیت

ان تینوں میں توحیدِ الٰہی کیسے کام کرتی ہے، اس کی حقیقت ''سورت الناس'' میں ہے۔'' (48)

(i) ''ربوبیتِ الٰہی'' کی حقیقت اور اس سے متعلق باطل افکار کا ردّ

انسانی زندگی اپنی نشو و نما اور ارتقا کے لیے بہت سی اشیا کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔ انسانیت کی یہ تمام احتیاجات اور ضروریات پورے کیے بغیر اس کی بقا ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے، جو اُس کی احتیاجات کو ایک تسلسل کے ساتھ پورا کرے۔ کہنے کو تو ماں باپ اور انسانی اجتماعیت کے حکمران ابتدائی طور پر یہ ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں، لیکن اس کا عالم گیر نظامِ ربوبیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیے ایک مسلمان سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ پکارے کہ:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ (کہہ دے کہ میں تمام انسانوں کی ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں)

مولانا سندھیؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''سورتِ فلق کی تشریح میں پودے کی جو تمثیل اختیار کی گئی تھی، اسے آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان پودے کی طرح پیدا ہوتا ہے اور نشو و نما پا کر اپنے جیسے اور ''پودے'' پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے آباؤ اجداد کو دیکھتا ہے کہ انھوں نے اس کی تربیت کی۔ پھر وہ خود اپنے آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے پاتا ہے۔ گویا اس کے خاندان کے اندر ''ربوبیت'' کا ایک نظام موجود ہے۔ لیکن قرآن

حکیم انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ ربوبیت کا یہ عمل کسی ایک خاندان کے اندر محدود نہیں ہے۔ یعنی یہ دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ ہمارے آباؤاجداد ہماری پرورش کر کے ختم ہو گئے اور ہم اپنی اولاد کی پرورش کر کے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ کوئی نظام ایسا ہے جو ساری نوع انسانی کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہ ذات جو ساری نوع انسانی ہی کی نہیں بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت کر رہی ہے، حقیقی معنوں میں رب ہے۔ بلکہ ہماری نوعی تربیت کا دائرہ کائنات گیر نظام ربوبیت کے اندر واقع ہے، یعنی ربِ کائنات نے کائنات کی تربیت کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہماری تربیت اس کے اندر آ جاتی ہے، مثلاً سورج کی حرارت سے سمندروں سے پانی کے بخارات اٹھ کر اور بادل بن کر برستے ہیں۔ جن سے نباتات اُگتے ہیں، یہ نباتات ہماری غذا کا کام دیتے ہیں، گویا ہماری غذا بہم پہنچانے کا نظام سارے کا سارا دوسرے جانداروں کی تربیت کے اندر آتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے آباؤ اجداد کی ربوبیت (پرورش) کے محتاج تھے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دست نگر تھے۔ اور اب ہماری اولاد ہماری طرف سے ربوبیت (پرورش) کی محتاج ہے۔ یہی سلسلہ دیگر حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کرۂ زمین پر ہر جگہ ربوبیتِ عامہ (عمومی پرورش) کے آثار موجود ہیں۔ بلکہ نوع انسانی کی تخلیق سے بھی پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلۂ ربوبیت کی تخلیق و تدبیر میں نہ ہمارے آباؤ اجداد کا ہاتھ ہے، نہ خود ہمارا، نہ ہماری اولاد کا۔ ربوبیت عامہ کا یہ نظام اتنا وسیع ہے اور اس کی تدبیر اتنی پیچیدہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان بھی ابھی تک ربوبیت کے اس نظام کا پورا اندازہ نہیں لگا سکے۔ اور پھر یہ ربوبیت کسی ایک زمانے یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، وہ مکان یا زمان کی پابند نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر انسان کی فطرت سلیمہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک ''ربّ مطلق'' کی ہستی کو تسلیم کرے۔ اور پھر اس کا جو تعلق انسانیت عامہ کے ساتھ ہے، وہ معیّن کر کے اپنی ''ربوبیت'' کو اس کی ربوبیت عامہ کا پرتو سمجھے اور اپنے آپ کو ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' (یعنی) ''رَبُّ النَّاسِ'' کا خلیفہ جانے۔ اسی میں انسان کا شرف ہے اور یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔'' (49)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوّل ایمان کا نشو و نما، حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعاماتِ بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیتِ مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن اِدھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت، مالک الملک اور شہنشاہِ مطلق بھی ہے۔ کیوں کہ تربیتِ مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی اور روحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں۔ اور یہ کام بجز (سوائے) ایسی

ذات کے جو "منبع الکمالات" (تمام کمالات کا سرچشمہ ہے) اور کسی سے بن نہیں پڑسکتا اور جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو۔ اور دنیا کی ایک چیز بھی اُس کے قبضۂ اقتدار سے خارج نہ ہوسکے۔ ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شہنشاہ کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اس کی یہ شان ہونی چاہیے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ " (50) (اُس دن کس کی حکمرانی ہوگی، صرف ایک اللہ طاقت ور کی ہوگی) گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے، جس کی "فعلیت" (عمل میں لانے) کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ربوبیت کا کل خلاصہ "اِعطاءِ منفعت" (نفع بخش چیزوں کو عطا کرنا) اور "دفعِ مضرت" (نقصان دہ چیزوں سے بچانا) ہے۔ اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا، یہ "ملک علی الاطلاق" (مکمل حکمران) کا منصب ہے۔'' (51)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ ربوبیت کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

''اللہ انسانیت کا ربّ ہے اور انسانیت کے لیے جس قدر سامانِ پرورش چاہیے، وہ سب کچھ دیتا ہے۔ اس کا نمونہ ماں باپ ہیں کہ انسان ماں باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی پرورش کرتے ہیں۔ اس سے وہ ایک مفہوم لیتا ہے۔ اور اس مفہوم اور معنی کو "تربیت" سمجھتا ہے۔ ماں باپ کی جتنی قوت ہے، وہ بہت تھوڑی اور محدود ہے اور احاطہ بھی ان کا چھوٹا ہے۔ بچپن میں آدمی اسی تربیت کو اپنے خیال میں بہت کافی سمجھتا ہے۔ مگر جب انسان ذرا بڑا ہوجاتا ہے تو اس کی اتنی ضرورتیں ہوتی ہیں کہ ماں باپ ان کو پورا نہیں کرسکتے۔ اور اگر پورا کریں تو بھی اُس کی عقل اور دماغ اطمینان حاصل نہیں کرتا اور نہ اس کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ محنت کرکے کچھ حاصل کرتے ہیں اور میری حالت یہ ہے کہ میں مفت خوروں کی مانند ان کے ساتھ لگا ہوا ہوں۔ اُسے اپنی یہ حالت ناگوار گزرتی ہے تو وہ اپنی ذمہ داری پر (کوئی نہ کوئی) کام کرنا شروع کردیتا ہے۔ لیکن اُسے اپنے کام میں ایسی مشکلات درپیش آتی ہیں کہ ان کو اُس کے ماں باپ حل نہیں کرسکتے۔ پھر وہ اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منعطف (متوجہ) کرتا ہے اور اُسی کو پکارتا ہے۔ اس کی وقت اس کی مشکل حل ہوجاتی ہے۔ اور اس حالت میں وہ اپنے اللہ تعالیٰ کو اپنا ''ربّ'' (پالنے والا) سمجھتا ہے۔ اور مطمئن ہوجاتا ہے کہ میرا ربّ میرے ساتھ ہے۔

جس انسان نے اپنی عقل اور تجربے سے اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان لیا، اُس کو ہم "اھل اللّٰہ" (اللہ والے لوگ) کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ سنی سنائی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مانتا ہے، بلکہ اپنی عقل اور تجربے سے اُسے اپنا ربّ جانتا ہے۔ مثلاً اُس شخص نے اپنے ماں باپ کو دیکھا کہ اُن کے کام بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اُن کی پرورش بھی وہی کرتا ہے تو اس فہم و فراست کے ساتھ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو یہ شخص "ولی اللّٰہ" ہے۔'' (52)

توحیدِ الٰہی کے دائرۂ ربوبیت کے حوالے سے انسانی سوسائٹی میں جو باطل اور غلط افکار پیدا ہوتے ہیں، اُن کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ''ربـــوبیـــت'' کے متعلق جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں وہ آخرکار دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) اور پیداوار کے احتکار (Hoarding) پر منتج ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پیدا کرتے ہیں جس سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ: ''انسان کے اخلاق کا فساد پیدا ہوتا ہے۔'' (53) چناں چہ ربوبیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہے تو انسان ''ســمــاحــت'' کے خُلُق سے عاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حرص اور طمع کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان کوئی اعلیٰ درجے کا اجتماعی نظام نہ پیدا کرسکتا ہے، نہ چلاسکتا ہے۔'' (54)

(ii) ''ملوکیتِ الٰہی'' کی حقیقت اور اس حوالے سے باطل افکار کا ردّ

انسانی سوسائٹی میں حکمرانی کا ایک نظام ضرور قائم ہوتا ہے۔ انسانی معاشرے اسی نظام کی زیرِ نگرانی ترقی کرتے ہیں۔ انسانوں کا اس نظامِ حکومت کے ساتھ براہِ راست روزمرہ کا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن ہر طرح کے تمام انسانی مسائل یہ نظامِ حکومت پورا نہیں کرسکتا، کیوں کہ وہ اپنے سے بالاتر نظام کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک وسیع ترین نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کائنات کے عالم گیر اور وسیع ترین نظام چلانے والی ذاتِ باری تعالیٰ کے حضور اس بات کا اعلان کرے کہ:

مَلِكِ النَّاسِ ۝ (لوگوں کے بادشاہِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں)

اس آیت کی تشریح میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس کے بعد انسان کی دوسرے درجے کی ترقی ہے کہ وہ خاندان سے نکل کر سوسائٹی کا ممبر بن جاتا ہے۔ اور سوسائٹی اپنا نظام قائم کرنے کے لیے اپنا ایک بادشاہ (حکمران) بنا لیتی ہے۔ تو اس سے انسان ایک نیا مفہوم لیتا ہے کہ ایک ہے بادشاہ اور دوسری ہے رعایا۔ تو یہ اپنے آپ کو اس سوسائٹی کے سربراہ کی رعایا مانتا ہے۔ ایک حد تک اس کی ضرورتیں اس نظام میں پوری ہوتی رہتی ہیں، لیکن اس کا دل و دماغ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ وہ اس موجودہ سوسائٹی پر قانع (قناعت کرنے والا) نہیں رہ سکتا۔ اور وہ اس سے اونچی سوسائٹی پیدا کرنے کی ہمت کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ تمام انسانیت کے بادشاہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کی طبیعت اسی بارگاہ میں مطمئن ہوسکتی ہے۔'' (55)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''انسان کی ارتفاقی زندگی (Cultural Life) کی ترقی میں ایک منزل آتی ہے جب وہ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول) اور قصباتی زندگی (ارتفاق دوم) سے بلند تر ہو کر شہری زندگی (ارتفاق سوم) اختیار

کرتا ہے۔ (56) اس منزل پر پہنچ کر وہ معاشرے میں حکومتی نظام پیدا کرتا ہے تاکہ اس میں عدل قائم کرے۔

یہ عدل جب انسانی زندگی کے معاشی اور اقتصادی شعبوں کا انتظام کرتا ہے تو "ربوبیت" کی شکل اختیار کرتا ہے اور جب سیاست کے شعبے میں کام کرتا ہے تو "ملوکیت" بن جاتا ہے۔ یہ دونوں دائرے ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی عدل اور سیاسی عدل انہیں بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے، جن بنیادوں پر یہ عدل خاندان میں قائم ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو غذا بہم پہنچاتے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اور صحت و تفریح کا سامان کرتے ہیں، ان کی غلطیوں پر رحم آمیز عدل (Justice Tempered whti Mercy) سے ان کی سیاست کرتے ہیں، ایک اچھی حکومت بھی اسی طرح کرتی ہے۔ اس کا نظام ربوبیت اور نظام عدل پورے معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جب حکومت اس بلند معیار سے گر جاتی ہے اور معاشرے میں ظلم و طغیان سر اٹھاتا ہے تو معاشرے میں سے انقلابی قوتیں ابھرتی ہیں اور وہ اس نظام کو برباد کر کے نیا نظام قائم کر لیتی ہیں۔

ایک عقل مند انسان اجتماع انسانی میں مرکزی مقام حاصل کر لے تو وہ اپنی ''ملوکیت'' اور اس کی حد بندیوں پر غور کرے گا۔ تو دیکھئے گا کہ ساری کائنات ایک مستقل نظام تدبیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام فطری قوانین پر مشتمل ہے جن کا اثر و عمل نہایت وسیع اور ناقابل تبدیل ہے۔ وہ اس نظام فطرت کو توڑنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا۔ ان قوانین میں ایک مکمل ربط اور ان کے عمل میں یکسانیت، ایک برتر حکیمانہ قوت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو ساری کائنات کو چلا رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنی "ملوکیت" کو اس "مَلِک الکُلّ" (مکمل حکمران) کی ملوکیت (حکمرانی) کا سایہ پاتا ہے اور اپنا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ خود کو اس شہنشاہِ مطلق کا خلیفہ قرار دے کر اس کے احکام کو انسانی معاشرے میں نافذ کرے۔ یہ جذبہ ایک دانش مند اجتماعیت پسند (57) انسان کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ترقی کرنے والا انسان وہی ہوتا ہے جو اجتماعیت پسند ہو۔

قرآن حکیم واضح دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حکومت اور ملوکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ دوسرے تمام حکمران اس کے محتاج ہیں ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بُتانِ آذری

اس کی ''ملوکیت'' کا حلقہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اس کی ''ربوبیت'' کا۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اس کا

نتیجہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا، اور وہ یہ کہ انسان اپنے معاشرے میں اپنی مطلق العنان (آمریت پر مبنی) حکومت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس لیے انسانی معاشرے میں فقط شورائی نظامِ حکومت ہی قائم ہوسکتا ہے۔'' (58)

اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور ملوکیت کو نہ ماننے کے نتیجے میں جو باطل افکار و خیالات اور اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں، اس کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ''ملوکیت'' کے متعلق جو باطل خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی ملوکیت (Imperialism) پیدا کرتے ہیں جن میں انسانوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی فسادِ اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ ملوکیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان معاشرے میں خود ''مَـلِكِ النَّـاسِ'' (انسانوں کا خودمختار مالک) بن بیٹھتا ہے جس سے سیاسی تغلب (ناجائز سیاسی غلبہ) پیدا ہو جاتا ہے اور انسان عدل کے خُلق سے عاری ہو جاتا ہے۔'' (59)

(iii) ''اُلوہیتِ خداوندی'' کی حقیقت اور اس حوالے سے باطل افکار کا ردّ

نوعِ انسانیت میں محبت کا ایک عظیم ترین جذبہ کارفرما ہے۔ اس محبت کے مظاہر انسانوں کے مابین مختلف حوالوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ماں باپ سے محبت، اساتذہ سے محبت اور عزیز و اقارب سے محبت کے بہت سے دائرے ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام تر محبتوں کے باوجود انسانیت کے اس جذبے کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ وہ کائنات کو پیدا کرنے والے اور ربوبیت کا نظام قائم کرنے والے اس شہنشاہِ مطلق کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے محبت کا اظہار نہ کرے۔ چناں چہ دل کی گہرائیوں سے اُس کی الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے پکارے:

اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ (میں انسانوں کے معبودِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ''ملک علی الإطلاق'' (مکمل طور پر حکمران) ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الوہیت) کا سراغ ملتا ہے۔ کیوں کہ معبود اُسی کو کہتے ہیں، جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے۔ اور اس کے حکم مقابلے میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً (کسی طور بھی) پروا نہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد (اطاعت) و بندگی بجز (سوائے) محبتِ کاملہ اور حکومتِ مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں۔ اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اُسی ''وحدہٗ لاشریک لہٗ'' کے لیے ثابت ہوگئی۔ پڑھو! قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ (60) (تو کہہ! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو، جو تمھارے بُرے اور بھلے کی مالک نہیں)۔'' (61)

"إلٰه النّاس" کی تشریح میں مولانا سندھیؒ مزید فرماتے ہیں:

''انسان کی جو مجموعی خواہشیں ہیں، اُن کی ترقی سوسائٹی اور بادشاہ تک ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد انسان کی ذہنی ترقی باقی رہتی ہے۔ اور وہ ہر اُس چیز سے، جس میں وہ دل کشی کا سامان پاتا ہے، محبت کرنے لگتا ہے۔ دنیا میں بہت سی چیزیں محبوب ہیں اور ان سے انسان ترقی کرتا ہے۔ گویا ایک محبوب کے بعد دوسرے محبوب سے محبت کی۔ اور اسی طرح آگے بڑھتا چلا گیا۔ انسان کو آخری درجے کی ایسی صورت میسر آسکتی ہے کہ ایک اس کا باپ ہے، پھر بادشاہ ہے اور پھر جتنی چیزوں کو یہ شخص دوست رکھ سکتا ہے، وہ موجود ہیں، یعنی اس کا محبوب دوست مل جاتا ہے تو اس پر انسانی طبیعت کافی حد تک اطمینان اور سکون میں رہتی ہے۔ مگر انسانی زندگی محدود ہے۔ اس کو ذہنی بے چینی ہوتی ہے، اور تکلیف ہوتی ہے۔ تو اب اگر اس کو اللہ سے ایسا تعارف ہو جائے، جو تمام محبوبوں سے زیادہ محبوب ہے، تو اُس کی ترقی اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ اور وہ بے انتہا (لامحدود) ترقی کر سکتا ہے۔ محبت کا یہ سلسلہ رُک نہیں سکتا۔ یہی صفت ہے، جسے "اِلٰہ" سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ تمام انسانیت کا محبوب ہے۔'' (62)

مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ مزید فرماتے ہیں:

"الـوهيـت": انسانی اجتماع میں یہ تیسرا دائرہ ہے۔ یہ بھی پہلے دو دائروں "ربـوبيـت" اور "مـلوكيت" پر منطبق ہوتا ہے۔ "الوهيت" سے مراد دلوں کو کھینچ لینے والی وہ محبوبیت ہے جو عشق تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائے۔ انسان کے اندر حُبّ (محبت) کا ایک جذبہ موجود ہے۔ وہ اصل میں علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ انسان کو کسی ذات میں چند خوبیاں نظر آتی ہیں، جو اسے اپنی طبیعت کے مناسب محسوس ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے دل میں اپنے محبوب کے لیے ایک کشش پاتا ہے۔ انسان خود جتنا بلند درجے کا ہوتا ہے اتنے ہی بلند درجے کا محبوب اس کے لیے کشش کا باعث ہوتا ہے۔

جب انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو اس میں ہر جگہ حسن و جمال کا ظہور پاتا ہے اور جب وہ نوع انسانیت کی ترقیات کا جائزہ لیتا ہے تو وہ ان میں حسن اور احسان دونوں کی وسیع علامات پاتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ان کو طے کرتا ہوا ایک ایسی ذات تک پہنچ جاتا ہے جو کائنات اور نوع انسانی کے اندر حسن و احسان کی مرکز ہے۔ وہ اس ذات کے لیے اپنے قلب کے اندر ایک کشش پاتا ہے اور پھر اسی کا ہو رہتا ہے۔...

ایک اجتماعیت پسند انسان حُبّ (محبت) کے اس درجے پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو نہ صرف اپنا "اِلٰـــه" تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ساری کائنات کا "اِلٰـه" مانتا ہے۔ اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اللہ کے سوا کسی چیز یا انسان سے اعلیٰ درجے کی محبت کرے اور انسانی اختیار کو اس "اِلٰـه واحد" کے سوا کسی اور کے تابع کردے۔'' (63)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے متعلق انسانی معاشروں میں جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں، اُس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ''الوھیت'' کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ شرک پیدا کرتے ہیں، جو انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے، اور یہ تپ دق کی مانند ہے۔ اس سے خدا پر سے انسان کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک طاقت سے مصالحت (Compromise) کرنے کی طرف جھکنے لگتا ہے۔ اوراس طرح اس میں سے انقلابیت (RevolutionrySpirit) نکل جاتی ہے اور رجعت پسندی (Reactioneism/Conservatiosm) پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بلند نصب العین پر قائم نہیں رہتا اور نہ صالح بین الاقوامی نظام پیدا کرسکتا ہے۔ اُلوہیتِ الٰہی کے عقیدے میں خلل پڑ جائے تو انسان علم کا اجارہ دار بن بیٹھتا ہے اور تقدس کا جامہ پہن لیتا ہے۔ عوام جہالت میں مبتلا ہوکر اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اس طرح انسانیت کے دونوں طبقے ''اِخبات'' (اللہ کے سامنے جھکنے) کے خُلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔'' (64)

(ب) ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کے مجموعی اثرات ونتائج

ایک انسان اللہ کی ان تینوں صفات، یعنی ''ربوبیت''، ''ملوکیت'' اور ''الوھیت'' کوتسلیم کرتا ہے، اس کی زندگی پر اس کے کیا اثرات ونتائج پیدا ہوتے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

''غرض سب سے اوّل جو صفت، ایمان کا مبدأ (ابتدائی حصہ) بنتی ہے، وہ ''ربوبیت'' ہے۔ اس کے بعد ''صفتِ مالکیت'' اور سب کے بعد ''اُلوھیت'' کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوسِ شیطانی کی مضرت (نقصان) سے بچانے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چاراجوئی کرے گا، اُس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر عدالت میں جانا مناسب ہوگا۔ جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس) کو ''سورت الناس'' میں بیان فرما دیا ہے۔'' (65)

ان تینوں صفات کے اثرات ونتائج کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''انسان کا ان تین صفتوں (ربوبیت، ملوکیت اور الوھیت) میں اللہ سے تعلق ہو تو اُس کی عقل کو پوری غذا مل جائے گی۔ اس محبت کو عام فہم بنانے کے لیے ضرر (نقصان) سے بچنے کا سامان بنا دیا گیا۔ کیوں کہ انسانی طبیعت ابتدا میں نفع اور نقصان کے سوا کسی اور چیز کو نہیں سمجھ سکتی۔'' (66)

مولانا سندھیؒ ایک اور جگہ مزید فرماتے ہیں:

انسان جب اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات ''رَبِّ النَّاس '' اور ''مَلِکِ النَّاس '' کے رنگ میں رنگا جا کر معاشرے میں کام کرتا ہے، تو لامحالہ اس کی ''ربوبیت'' عام ہوتی ہے۔ اور اس کے عدل کا دائرہ اس کی ''ربوبیت'' کے دائرے کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی ہی تربیت نہیں کرتا، بلکہ سارے انسانی معاشرے کی ''ربوبیت'' کا نظام سوچتا ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے اندر عدل قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لیے معاشرتی اور معاشی عدل قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے انسانی معاشرے کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے۔ ایسے ہی جو جماعت اس طرح سے کام کرے، وہ بھی انسانی معاشرے میں محبوبیت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ سارے انسانی معاشرے کو اپنا خاندان تصور کر کے اس کی خدمت کرتی ہے۔ یہ ہے انسانی فطرت۔

ایک اجتماعیت پسند انسان جس طرح ربوبیت کے عالمگیر نظام کو دیکھ کر اپنی ''ربوبیت'' کو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا رَبِّ النَّاسِ کی ربوبیت کی ذیل میں لے آتا ہے اور ساری کائنات میں باضابطگی اور نظم و نسق کی وسعت کو دیکھ کر اپنی حکومت کو ''حاکم علی الإطلاق'' (مَلِکِ النَّاسِ) کی ملوکیت (حکمرانی) کے تابع کر کے اس کی ''خلافت'' قرار دے لیتا ہے، اسی طرح سے وہ اپنی محبوبیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت میں مدغم کر کے صرف اسی کو محبوب حقیقی قرار دے لیتا ہے۔ جب حُبّ (محبت) اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان اپنے اختیار کو محبوب کے اختیار کے تابع کر دیتا ہے، اسے ''عبادت'' کہتے ہیں اور محبوب کو ''الٰہ'' کہتے ہیں۔'' (67)

مولانا سندھیؒ مزید فرماتے ہیں:

''اس قسم کی ذہنیت، انسانی ملوکیت یا مطلق العنانی کو کبھی قبول نہیں کر سکتی۔ اور اس ذہنیت کا مالک انسان جہاں اجتماعیت پسند ہوگا، وہاں وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت پسند بھی ہوگا۔ غرض انسان سلامتیِ فطرت کے ساتھ چل رہا ہو تو وہ اپنی ثقافتی اور ارتقائی ترقی میں ان تین درجوں میں سے گزرے گا:

1۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''مربی'' بنانے (یعنی نظامِ تربیت قائم کرنے) کی کوشش کرے گا۔

2۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ''حاکم'' بنانے (یعنی نظامِ سیاست قائم کرنے) کی کوشش کرے گا۔

3۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''محبوب'' بنانے (یعنی نظامِ محبت و الفت قائم کرنے) کی کوشش کرے گا۔

یہ جذبات ہر ایک انسان میں موجود ہیں۔ اگر اسے صلاحیت اور علم حاصل ہو تو وہ اپنے انہی جذبات کی مثالوں کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کر کے یہ بصیرت حاصل کرے گا کہ انسانیت عامہ کے ''رب''، ''ملک''، ''الٰہ'' کو پہچان لے۔ اور پھر اس سے بھی اونچا اٹھ کر اس ذات واحد کی ربوبیت، ملوکیت

اور الوہیت کی واضح نشانیاں ساری کائنات میں مشاہدہ کر کے اسے ہی ساری انسانیت اور ساری کائنات کا ربّ، ملک اور الٰہ تسلیم کر لے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانیت کی ترقی انہی تین کمالات انسانی کی ترقی پر منحصر ہے۔یعنی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا نائب بنے۔اس طرح سے انسانیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ مکمل ہو جاتا ہے۔'' (68)

(ج) نوعِ انسانیت کو فکری انتشار سے بچانے کی ضرورت

نوعِ انسانیت میں جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اُس کا ربّ، مالک اور الٰہ ہے تو اب اُس کی پناہ میں آ کر یہ دعا مانگی جا رہی ہے کہ وہ اجتماعیتِ انسانی کو فکری انتشار سے بچائے۔اس لیے کہ انسانی اجتماع، اعلیٰ فکر اور بلند سوچ اور خیالات پر پختہ یقین واعتماد سے ترقی کرتا ہے۔وسوسے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اعلیٰ فکر میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں، جو انسان کے یقین واعتماد میں کمی کا باعث بن جاتے ہیں۔اس لیے ان سے بچاؤ کی دعا مانگی جا رہی ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(وسوسہ پیدا کرنے والے، چھپ جانے والے کے شر سے، جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، جنوں اور انسانوں میں سے)

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''وسوسہ ڈالنے والے شخص یا جماعت کا نام ''وسواس'' ہے۔یعنی ہمیشہ وسوسہ ڈالنے والی جماعت۔اور ''الخنّاس'' وہ ہے کہ جب اس پر حملہ کیا جائے تو وہ چھپ جائے، یا چھپنے والی طاقت۔وہ اس طرح پیش آتی ہے کہ انسان اس پر حملہ نہیں کر سکتا، بلکہ وہ بعض اوقات اس کو اپنا دوست سمجھتا ہے کہ یہ مجھ کو خیرخواہانہ مشورہ دے رہا ہے۔وہ کسی وقت ایسی بات بھی کہہ دیتا ہے کہ انسان کی اِدھر توجہ نہیں ہوتی۔اور اس سے درحقیقت محبتِ الٰہی میں نقصان آتا ہے۔ہم ان کے وسوسے کے شر سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی پناہ میں آتے ہیں۔جب ہم نے وسوسے کی جڑ ہی کاٹ دی تو اس کا خیال بننا، پھر ارادہ بننا، پھر عملی صورت اختیار کرنا، ہم ان تمام درجوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔'' (69)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''(سورت الفلق میں) جن چار آفتوں کا ذکر کیا گیا ہے، کبھی کبھی تخم (بیج) کو اِن میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، بلکہ رویدگی (اُگنے) سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جوہر (نباتی مرکزہ) چوس لیتی ہیں، جس سے تخم کی رویدگی (نشو ونما) ہوتی ہے۔اور جس کو ہم

''قلب الحبوب'' (بیج اور دانوں کا مرکزہ) یا ''سویدائے تخم'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشو و نما نہیں رہتا۔ چناں چہ دوسری سورت میں ''الوسواس الخناس'' (چھپ کر وسوسہ ڈالنے والے) کے شر سے ''استعاذہ'' (شر سے پناہ مانگنے) کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیوں کہ ''وسواس'' انھی فاسد خطرات کا نام ہے، جو ظاہر ہو کر نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج ''عالم الخفیات و السرار'' (مخفی اور اندرونی بھیدوں کو جاننے والے اللہ) کے سوا کسی کے قبضے میں نہیں۔ لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا، تو ''دفع وسواس'' (وسوسہ ڈالنے والوں کو روکنے) کے واسطے انھی صفات سے تمسّک (وابستگی پیدا) کرنے کی ضرورت ہوئی، جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی (اساسی امور) گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔... ''خنّاس'' سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالتِ غفلت آدمی کے دل میں وسواس (وسوسہ) ڈالتا رہتا ہے۔ اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے۔ ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور اُن کے دستِ تعدی (ظالمانہ ہاتھ) سے رعایا کو مصئون و مامون (محفوظ) بنانا، بادشاہانِ وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے۔'' (70)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس آیت کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں:

''محبت کی وجہ سے انسان کو ملامت کرنا، سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز ہوتی ہے ؎

ملامت، شحنۂ بازارِ عشق است

(محبت کی وجہ سے ملامت کرنا، بازارِ عشق کا سب سے تکلیف دہ عمل ہے)

اگر انسان کو اس کے محبوب سے ہٹانے والی کوئی جماعت ہو، جو چاہے کہ اُس کی یہ محبت نہ رہے تو اُس جماعت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس انسان پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور اُسے اپنے محبوب سے ہٹانے میں ایک ضغطہ (غلط خیال) پیدا کرتی ہے۔ اس کو ''وسوسہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کے دل میں ایسے خطرات (خیالات) وقتاً فوقتاً پیدا کرتی ہے، جس سے وہ محبت میں پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس واسطے ہم اس عقیدے سے ہٹانے والی جماعت کے شر سے اور اس محبت کے تعلق کو کمزور کرنے والی جماعت کے شر سے اپنے ربّ، بادشاہ اور محبوب کی پناہ میں آتے ہیں۔ چوں کہ وہ وسوسہ نہایت ملامت دہ (تکلیف دہ) چیز ہے، اس لیے وہ ہمیں ایک ایک نقطے پر ایذا (تکلیف) دے گا۔ لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہمارا اپنے ربّ سے دائمی تعلق پیدا ہو جائے گا۔... اس طرح انسانیت میں ایک تو بصیرت بیدار رہے گی اور اُسے علم رہے گا کہ کون سی چیز ضرر (نقصان) دے رہی ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے محبت تازہ بتازہ بڑھتی جائے گی۔ انسانیت کا اللہ تعالیٰ سے ربط آخری شکل میں بھی ایک نتیجہ

پیدا کرتا ہے۔'' (71)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس آیت کی تشریح میں مزید فرماتے ہیں:

''ان انسانی کمالات کی ترقی کی دشمن کیا چیز ہے؟ اس فکر جلیل میں خلل کس طرح پڑتا ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں کسی فکر عظیم کے متعلق کوئی کمزور نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اسے ''وسوسہ'' کہتے ہیں۔ یہی ''وسوسہ'' ترقی کر کے شک بن جاتا ہے، جس کا انجام انکار ہوتا ہے۔

انسانی فکر کو بدلنے والی طاقتوں کے دو حصے کر لیجیے:

ایک انسانی جماعتیں ہیں۔ انسان کسی سوسائٹی میں رہنے لگے تو اس سوسائٹی کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا فکر تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اصل میں تو ایک طبقے سے دوسرا طبقہ اثر لیتا ہے۔ لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے مفادات دو طبقوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ ایسے انسان ایک طبقے سے متاثر ہو کر اس اثر کو دوسرے طبقے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اثرات مختلف طبقوں میں پھیل جاتے ہیں۔

دوسری انسان کے سوا دوسری طاقتیں ہیں۔ ان کے اثر سے بھی انسان کے دماغ کا فکر بدل جاتا ہے۔ یہ ساری طاقتیں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔

''وسواس'' کیا ہے؟ عالم مثال میں انسان کا ایک قرین (ساتھی) ہوتا ہے جو یا تو ''شیطنت'' کی طرف مائل ہوتا ہے یا ''ملکیت'' کی طرف۔ یہ جنّ (پوشیدہ مخلوق) اگر شیطنت کی طرف مائل ہو تو ہمارے افکار میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی انسانی جماعتیں اپنے مخالف نظام فکر میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں، جس کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان جماعتوں کے کارندے جو بظاہر پراپیگنڈا کرتے ہیں، اصل محرک نہیں ہوتے۔ اصل محرک ان کے پیچھے ہوتے ہیں، جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ وہ جماعتیں ان کارندوں کو لکھا پڑھا کر ان سے کام لیتی ہیں اور انسان کے فکر میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے ذہن کو ہمارے ذہن کی طرف متوجہ کر کے تاثیر ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم پر اثر ہوتا ہے۔ صوفیا کے ہاں یہ ایک مستقل فن ہے۔ اسے ''توجہ دینا'' کہتے ہیں، لیکن نہ ہر ایک صوفی توجہ دے سکتا ہے، نہ ہر ایک طالب توجہ لے سکتا ہے۔ اس فن کے قواعد اور اصول ہیں، جن کے تحت ''توجہ'' دی جاتی ہے۔ اس سے طالب کے قلب میں افکار پیدا ہوتے ہیں۔

ایسے ہی ہم نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی فکری تاثیر (Suggestion) ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پراپیگنڈا کے ذریعے سے عوام کے دلوں میں

خیالات پیدا کرنا تو سب جانتے ہیں۔ اس طرح سے عوام کے افکار میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وسوسے ہی سے ہوتا ہے اس طاقت کو جو وسوسہ پیدا کرنے میں مرکزیت کا مقام رکھتی ہے۔ ''وسواس'' کہا جاتا ہے۔

اس قسم کی وسوسہ پیدا کرنے والی طاقتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ایک وہ طاقتیں جو نظر آتی ہیں۔

دوسری وہ طاقتیں جو نظر نہیں آتیں۔

اوّل الذکر میں انسان داخل ہیں اور آخر الذکر میں جن، سفلی ملائکہ (زمین سے متصل نچلے درجے کے فرشتے) اور علوی ملائکہ (اونچے درجے کے فرشتے) شامل ہیں۔ یہ دونوں قسم کی طاقتیں ہمارے دلوں میں افکار پیدا کرتی ہیں۔ امرِ حق کے خلاف جو انتشار فکر پیدا ہوتا ہے، وہ فکری مرض ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ انکارِ حق تک پہنچ جاتا ہے۔'' (72)

وسوسہ ڈالنے والی جماعتیں کس قسم کے باطل افکار و خیالات کے وسوسے ڈالتی ہیں، اس سورت کے تناظر میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

''یہ باطل افکار کبھی اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کے متعلق ہوتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی ''ملوکیت'' کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی ''الوہیت'' کے متعلق ہوتے ہیں۔

غرض توحیدِ کامل میں وسوسہ پیدا ہو جانے سے انسان ''سماحت''، ''عدل'' اور ''اخبات'' کے بنیادی اخلاق سے بالکل عاری ہو جاتا ہے۔ اور ان کی بربادی سے طبعی طور پر ''طہارت'' کے خُلق پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی پوری انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جس معاشرے سے یہ (چار) اخلاق نکل جائیں وہ انسانیت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

انسانیت کو اس بربادی سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ''رَبِّ النَّاس''، ''مَلِکِ النَّاسِ'' اور ''اِلٰہِ النَّاس'' تسلیم کرے اور خود معاشرہ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بن کر ان صفات الٰہی کا مظاہرہ کرے۔'' (73)

5۔ قرآن حکیم کی پہلی اور آخری سورتوں میں باہمی ربط اور ان کا خلاصہ

قرآنِ حکیم کی اِن آخری تین سورتوں میں توحیدِ الٰہی پر مشتمل بیان کردہ دینی فکر و فلسفے نے انسانی معاشرے میں ایسی تبدیلی پیدا کی، جس کے نتیجے میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر تمام غلط افکار و نظریات مغلوب ہوگئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کی جدوجہد سے دین اسلام کی تعلیمات کا عملی نظام دنیا میں قائم ہوگیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ کی توحیدِ کامل یعنی وجود کی وحدت اور تدبیر کی مرکزیت (جس طرح وہ ساری کائنات اور نوعِ انسانی میں جاری و ساری ہے) انسان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور (وہ) اپنے علم اور تجربے سے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا کامل یقین پیدا کرلے، تو کوئی مشرکانہ تصور انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اور نہ معاشرے میں ظلم قائم رہ سکتا ہے۔ چناں چہ حضرت محمد ﷺ نے مکہ معظّمہ کی سوسائٹی میں یہ ذہنی انقلاب لاکر اسے شرک اور ظلم سے بالکل پاک کردیا۔ اور پھر مدینہ منورہ کو مرکزِ فکر و عمل بناکر سارے عرب میں ایک عظیم الشان ذہنی، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی انقلاب مکمل کرلیا جس کا اثر حدودِ عرب سے نکل کر رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (مشرق و مغرب کے ربّ) کی سرزمین میں وسیع پیمانے پر پھیلنے لگا۔'' (74)

قرآن حکیم کی آخری سورت ''سورت الناس'' ہے اور پہلی سورت ''سورت الفاتحہ'' ہے۔ پہلی سورت میں قرآنی انقلاب کے اساسی اصولوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ان اساسی اصولوں کی تشریح و تفسیر سورت البقرہ سے لے کر آخر قرآن تک بیان کی گئی ہے۔ اور آخری تین سورتوں میں قرآن حکیم نے اپنی تعلیمات کے بنیادی فکر و فلسفے کا عام فہم انداز میں تعارف کرایا ہے۔ خاص طور پر آخری سورت میں انسانی سماج کی تشکیل کے راستے کی رُکاوٹوں، یعنی وسوسہ ڈالنے والی شرپسند جماعتوں کے شر سے بچنے اور اللہ کی پناہ میں آنے کا اعلان کیا گیا۔

قرآن حکیم کی پہلی اور آخری سورتوں میں اللہ کی چند صفات کے حوالے سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم کی پہلی سورت ''الفاتحہ'' ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین بنیادی صفات کا تعارف کرایا گیا ہے: 1۔ ربوبیت 2۔ رحمانیت اور رحیمیت 3۔ مالکیت

آخری ''سورت الناس'' میں بھی اسی طرح تین صفات کا اعادہ (دوبارہ دہرایا) گیا ہے:

1۔ ربوبیت (رب النَّاس) 2۔ ملوکیت (ملک النَّاس) 3۔ اُلُوھیت (الٰہ النَّاس)

☆ سورتِ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کو ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہا گیا ہے۔ تو سورت الناس میں اسے ''رَبُّ النَّاسِ'' بتایا گیا ہے، دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

☆ سورتِ فاتحہ میں ''ربوبیت'' کو ''رحمانیت'' اور ''رحیمیت'' سے مربوط کیا گیا ہے تو سورت الناس میں خدا تعالیٰ کی ''اُلُوھیت'' کا اظہار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''رحمانیت'' اور ''رحیمیت'' دونوں کا عمل ذاتِ خداوندی کو کائنات کا مرکز بناتا ہے، جو ''اُلُوھیت'' کا مآل (نتیجہ) ہے۔

☆ سورتِ فاتحہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو سورت الناس میں اللہ تعالیٰ کا

بطور مَلِكِ النَّاسِ تعارف کروایا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

☆ سورتِ فاتحہ میں ''صراطِ مستقیم'' کی استدعا کی گئی ہے۔ سورت الناس میں ''وسواس'' کے شر سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ تک پہنچنے کی عملی شکل صراط مستقیم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس راہ میں وساوس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

☆ سورتِ فاتحہ میں ''صراط الذین انعمت علیهم'' کی استدعا کی گئی ہے۔ تو سورت الناس میں (انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر مشتمل) صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنے والی طاقت ''الوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ'' (چھپ کر وسوسہ ڈالنے والے) کے دو مظاہر ''الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ'' (جنات اور انسانوں) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس ''وَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ'' کے اثر سے جب قومیں ''صراطِ مستقیم'' سے ہٹتی ہیں تو یا تو وہ یہود صفت بن کر ''مَغْضُوب علیه'' (غضبِ الٰہی کی حالت) ہوتی ہیں یا نصاریٰ صفت بن کر ''ضآلّین'' (گمراہ) میں شمار ہوتی ہیں۔

گویا قرآن حکیم کی ان آخری تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ ''ربوبیت''، ''ملوکیت (یا مالکیت)'' اور ''اُلوہیت'' کی طرف توجہ دلا کر ''صراطِ مستقیم'' یا توحید کے بنیادی فکر پر استقامت حاصل کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ یہی ایک چیز شرفِ انسانی کی بنیاد ہے۔ اور اسی سے نوع انسانی کے لیے ہر قسم کی مادی اور معنوی ترقیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی فکر، قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر ہے، جس پر ساری نوعِ انسانی کو جمع کرنا انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔'' (75)

اس طرح قرآن حکیم کے اوّل و آخر کی سورتوں کے مضامین باہم مربوط ہیں۔ انسانی سماج کو صراطِ مستقیم پر رکھنے اور درست خطوط پر اس کی تشکیل کے جن اساسی اصولوں کو قرآن حکیم نے اپنی پہلی سورت میں بطورِ افتتاح اور اساس کے بیان کیا تھا، انھی اصولوں کو اپنے بنیادی فکر و فلسفے کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے آخری سورت میں بھی بیان کردیا گیا۔ اس طرح اس کتابِ مقدس کی تعلیمات پڑھنے والوں کے سامنے ایک مربوط انداز میں سامنے آتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم کی ان تعلیمات کو درست تناظر میں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

1۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:727۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

2۔ حضرت سندھیؒ کی اصل عبارت یہ ہے: ''الفلسفة ما معناها، فعيّن مركزًا و نظم الأفكار المختلفة هو لهٗ كالدّائرة، فيذهب التعارض الّذى يرىٰ فى ظاهر الأفكار و يقرّ محلّه كنكتةٍ واحدةٍ بعد إذ تعيّنت كالدّائرة الواحدة.''

(دیکھیے! تفسیر سورۃ الاخلاص۔ الہام الرحمٰن (قلمی)، از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ج:01۔ص:154۔عکس مخطوطہ نمبر14565۔ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد۔

3۔ تفسیر سورت الاخلاص۔تفسیر المقام المحمود۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:201۔طبع: ناشران انٹرنیشنل بک کارپوریشن۔ ہیرا آباد، حیدرآباد، سندھ۔مطبوعہ:1959ء۔

4۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ازامامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:30-729۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔2009۔

5۔ تفسیر سورت الفلق۔تفسیر المقام المحمود۔از مولانا عبیداللہ سندھی۔ص:203۔طبع: ناشران انٹرنیشنل بک کارپوریشن۔ ہیرا آباد، حیدرآباد، سندھ۔مطبوعہ:1959ء۔

6۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اسلامی فلسفے کے شارحین کا تسلسل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام غزالیؒ اُن مسلمان حکما کے ایک بہت بڑے پیشوا ہیں، جو یونانی فلاسفہ کے نظریات کو پوری طرح تسلیم نہیں کرتا، وہ صرف اُس فلسفے کی بنیادی چیزیں مان لیتے ہیں۔مگر جس شکل سے یونانی فلاسفہ اس کی تشریح کرتے ہیں، مسلمان حکما ان کو نہیں مانتے۔ بدقسمتی سے امام غزالیؒ بھی یونانی نظریے کے مقابل (مقابلے میں) کوئی مکمل نظریہ پیش نہیں کرسکے۔ اس لیے مسلمان حکما کی رائیں بھی کوئی صحیح قواعد پر مکمل نہیں ہوسکیں۔...امام غزالیؒ کے بعد ایران میں ایسے عالم پیدا ہوئے، جو ''ہندوستانی فلسفے'' کو، جس کے ساتھ ''ایرانی فلسفے'' کا بھی ایک حصہ موافق تھا، خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ انھوں نے ارسطو کے (محض مادیت پر مبنی) فلسفے کو ردّ کر کے اس کی جگہ اسلامی تشریحات کے لیے (اشراقیت یا کشف پر مبنی) ''ہندوستانی فلسفے'' کو پیش کردیا۔ جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول تھے۔...علامہ قطب الدین شیرازی نے شہاب الدین (مقتول) کے (اشراقیت اور ویدانت فلاسفی پر مبنی) فلسفے کو دوبارا زندہ کردیا۔ شہاب الدین مقتول کا فلسفہ، جو دراصل ہندوستانی فلسفہ تھا، (علامہ) قطب الدین شیرازی کی تشریح کے بعد علما میں بہت مقبول ہوگیا۔اس فلسفے کے رواج سے ہندوستان میں مذہبی قوت کو جس قدر صدمہ پہنچ سکتا تھا، پہنچا۔ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تلافی کردی۔اور اس صدمے سے ہم کو بچا لیا۔'' (تلخیص تقریر امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔تفسیر سورت الاخلاص۔تفسیر المقام المحمود۔ص:210 تا 213۔طبع: ناشران انٹرنیشنل بک کارپوریشن۔ ہیرا آباد، حیدرآباد، سندھ۔مطبوعہ:1959ء)

☆ ارسطو یا ارسطاطالیس (Aristote)۔(384-322 قبل مسیح): اسکندر کا استاذ اور ایک یونانی فلاسفر ہے۔اس کی کتابیں عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔فلسفہ مشائین کے مذہب کا بانی ہے۔اس کی بہت سی تالیفات، منطق، طبیعیات، الٰہیات اور اخلاق وغیرہ میں ہیں۔اس کی اہم ترین کتابوں میں ''المقولات''، ''الجدل''، ''الخطابه''، ''كتاب ما بعد الطبيعات''، ''السياسه''، ''النفس'' وغیرہ ہیں۔سریانی زبان سے اس کی کتابوں کو عربی میں نقل کرنے والے اسحاق ابن حنین ہیں۔(المنجد فی الاعلام)

☆ شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول: ان کا نام ''یحییٰ بن حبش'' ہے۔ان کی پیدائش 539ھ/ 1154ء میں ہوئی۔آپؒ بڑے اشراقی فلسفی ہیں۔شافعی المذہب تھے۔آپؒ کی پیدائش ''سہرورد'' ایران میں ہوئی۔اور درس و تدریس ''مراغہ'' آذربائیجان میں کی۔آپؒ کی مشہور کتابیں ''حكمت الاشراق'' اور ''هياكل النور'' ہیں۔شیخ عبدالرحمٰن جامی نے ''حیاتِ صوفیا'' میں تصوف اور فلسفے کے حوالے سے ان کے بلند مرتبے کا ذکر کیا ہے۔(دیکھئے! حیاتِ صوفیا۔اردو ترجمہ۔ص:724 تا 726) حلب کے لوگوں نے آپؒ پر کفر کا الزام لگایا اور پھر 587ھ/ 1191ء میں آپؒ کو شہید کردیا گیا۔اسی لیے ''مقتول'' ان کے نام کا حصہ بن گیا۔(المنجد فی الاعلام)

☆ شیخ قطب الدین شیرازی: 1236ء میں پیدا ہوئے اور 1311ء میں انتقال ہوا۔آپ طب، فلسفہ اور فلکیات کے بڑے ماہر

تھے۔آپ کی مشہور تصانیف میں ''فتح المنان فی تفسیر القرآن''، ''شرحِ قانون ابن سینا'' اور ''رسالة فی امراض العیون و علاجاتها'' ہیں۔فلسفے میں آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کے نظریے کو زندہ کیا۔(المنجد فی الاعلام)

☆ شیخ الاجل، امام العارف، بحرالحقائق والمعارف، شیخ الاسلام والمسلمین، شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین سرہندی، مجدد الف ثانیؒ: آپؒ کی پیدائش سرہند میں شوال/ 971ھ(1564ء) میں ہوئی۔آپؒ نے زیادہ تر علوم اور طریقۂ چشتیہ اپنے والدِ گرامی شیخ عبدالاحد سے حاصل کیا۔بعض علومِ عقلی شیخ کمال الدین کشمیری سے حاصل کیے۔اور حدیث کی سند شیخ یعقوب بن حسن صیرفی کشمیریؒ سے حاصل کیے۔آپؒ 17 سال کی عمر میں تمام علومِ ظاہری سے فراغت کے بعد تصنیف و تدریس میں مشغول ہوگئے۔اسی زمانے میں آپؒ نے ایک رسالہ ''رسالة فی إثبات النبوة'' تحریر کیا۔جس پر علما نے بڑی تعریف کی۔اس کے بعد آپؒ کے والدِ گرامیؒ نے آپؒ کو اپنا خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ 1007ھ(1598ء) میں جب آپؒ کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا، تو آپؒ نے حج کے ارادے سے دہلی کا سفر کیا۔وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے آپؒ کو شیخ الاجل شیخ رضی الدین عبدالباقی (خواجہ باقی باللہ) نقش بندیؒ متوفی 1012ھ(1603ء) کی صحبت حاصل ہوئی۔اور آپؒ نے ان سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا۔پھر اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ بتدریج ترقی کرتے ہوئے مقامِ قطبیت اور فردیت پر فائز ہوگئے۔یہاں تک کہ آپؒ کو آپؒ کے شیخ نے مرتبۂ تکمیل و ترقی کے اعلیٰ مدارجِ قرب تک پہنچنے کی خوش خبری دی۔اور اپنی خلافت اور جانشینی سے مشرف فرمایا۔آپؒ سرہند واپس تشریف لائے۔اور مسندِ ارشاد پر تشریف فرما ہوئے۔درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔آپؒ فقہ، اصولِ فقہ، علم کلام، تفسیر، حدیث، تصوف وغیرہ کی کتابیں بڑی تحقیق سے پڑھاتے تھے۔

اس عرصے میں آپؒ کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی۔تو حاسدین اور آپؒ کے دشمنوں نے آپؒ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔چناں چہ بادشاہِ وقت جہاں گیر سے شکایات کی گئیں۔چناں چہ جہاں گیر نے آپؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔اور آپؒ سے سوالات کیے۔آپؒ کے جوابات سے وہ مطمئن ہوا۔لیکن حاسدین نے سلطان جہاں گیر کو اس بات کا غصہ دلایا کہ انھوں نے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا۔اس پر جہاں گیر نے آپؒ کو ''گوالیار'' کے قلعے میں قید کردیا۔شاہ جہاں اور دیگر علما نے کتبِ فقہ لے جا کر آپ سے عرض کیا کہ بادشاہوں کو سجدۂ تعظیمی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس لیے آپؒ سلطان سے معذرت کرلیں۔لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا: ''یہ رخصت ہے۔عزیمت یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔'' تین سال تک آپؒ اس قلعے میں قید رہے۔اس عرصے میں آپؒ نے قرآنِ پاک حفظ کرلیا۔پھر سلطان جہاں گیر نے قید سے اس شرط پر نکالا کہ وہ ان کے لشکر کے ساتھ رہیں گے۔اور جہاں لشکر جائے گا، ساتھ ساتھ رہیں گے۔اس طرح شیخ نے شاہی لشکر میں آٹھ سال قیام کیا۔سلطان جہاں گیر کی وفات کے بعد شاہ جہاں نے بادشاہ بن کر آپؒ کو سرہند جانے کی اجازت دی۔

آپؒ سرہند تشریف لائے اور باقی ساری عمر درس و تدریس اور رُشد و ارشاد کے پھیلاؤ میں مصروف رہے۔آپؒ نے بہت سی تصنیفات لکھی ہیں۔سب سے زیادہ مشہور تین جلدوں میں آپؒ کے ''مکتوبات مجدد الف ثانی'' ہیں، جن میں علوم وشرائع اور حقائق و معارف اور فلسفے سے متعلق امور بیان فرمائے ہیں۔آپؒ نے اپنے زمانے کے بعض نام نہاد مشائخ کی طرف سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے ''نظریۂ وحدت الوجود'' کے غلط استعمال کی وجہ سے جو الحاد و زندقہ پیدا ہو رہا تھا، اس کا جواب دیا۔ اور ''نظریۂ وحدت الشہود'' کی اساس پر ''وحدت الوجود'' کے غلط استعمال کا راستہ روکا۔چناں چہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان دونوں نظریات کی حقیقت و ماہیت اور ان کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے ان نظریات کے غلط استعمال کرنے والوں کا ردّ کیا ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انتقال 28/ صفر 1034ھ(1624ء) میں سرہند میں ہوا۔آپؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد سعید نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔اور سرہند شریف میں ہی آپؒ کا مزار ہے۔

7۔ امام ابو حامد محمد الغزالی (متوفی 505ھ/1111ء): آپؒ بڑے متکلم اسلام تھے۔ ''حجۃ الاسلام'' آپؒ کا لقب ہے۔ خراسان کے قریب طوس کے نزدیک ایک بستی میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کو تصوف، فقہ، علم کلام اور علم فلسفہ میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی۔ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں پڑھاتے رہے۔ آپؒ نے فلاسفہ کے ردّ میں ایک اہم ترین کتاب ''تهافة الفلاسفه'' لکھی، جس میں اُن کے نظریات کا بڑی اچھی طرح ردّ کیا۔ تصوف اور فلسفے پر آپؒ کی اہم ترین کتابیں ''المنقِذ من الضلال'' اور ''إحياء علوم الدين'' ہیں۔ (المنجد فی الاعلام)

8۔ جلال الدین محمد دوانی: ان کی پیدائش 1427ء اور انتقال 1502ء میں ہوا۔ آپ ایران میں قضا کے منصب پر فائز تھے۔ شیراز میں تعلیم حاصل کی۔ ادب اور فلسفہ کی بہت سی شروحات لکھیں۔ آپ نے صوفیا کے بہت سے رسائل عربی زبان میں لکھے۔ ان میں ''تهذب المنطق و القلم''، ''رسالة الزوراء'' اور شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کی کتاب کی شرح ''شرح هياكل النور'' لکھی۔ (المنجد فی الاعلام)

9۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ: آپؒ کی پیدائش 1114ھ/1703ء میں ہوئی۔ آپؒ نے اپنے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ انھی سے فلسفہ و فکر سیکھا۔ پھر مشائخ حرمین سے علوم الحدیث حاصل کیے۔ حرمین شریفین سے واپس آکر آپؒ نے اپنے فلسفہ و فکر کو مرتب کیا۔ ''حجة اللّٰه البالغه''، ''البدور البازغه''، ''تاويل الاحاديث''، ''تفهيماتِ الٰهيه''، ''الطاف القدس'' اور ''سطعات'' وغیرہ آپؒ کے فلسفہ و فکر کی اہم کتابیں ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انتقال 1176ھ/1762ء میں ہوا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کو سمجھنے کے حوالے سے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں: ''فلسفہ ولی اللّٰہی سمجھنے کے لیے جس طرح افلاطون اور ارسطو کے نظریات سے واقفیت ضروری ہے، اسی طرح شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مسالک سے آگہی بھی ضروری ہے۔ فلسفے کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والوں کو ان مبادی پر عبور حاصل کرنے کے لیے ''شرح حكمت الاشراق'' از قطب الدین شیرازی، ''شرح هياكل النور'' از علامہ جلال الدین دوانی، ''اسفارِ اربعه'' از صدرالدین شیرازی، ''تكميل الأذهان'' از شاہ رفیع الدین دہلویؒ، ''العبقات'' از مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کافی ہیں۔ امام ولی اللہ دہلویؒ پہلے فلاسفروں کے بیان کردہ مسائل کو کن الفاظ میں قبول کرتے ہیں، اور اپنی مختارات کی کیا خصوصیات قرار دیتے ہیں، اس میں نہایت تدقیق اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ امام عبدالعزیز دہلویؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتب بھی امام ولی اللہ دہلویؒ کے کلام کو واضح کرنے میں مدد دیں گی۔ اگر ''فصوص الحكم'' (از شیخ محی الدین ابن عربی) کے ساتھ ''تاويل الأحاديث''، ''اخلاقِ جلالی'' کے ساتھ ''البدور البازغه''، ''رساله قشيريه'' (از امام ابوالقاسم قشیریؒ) کے ساتھ ''الطاف القدس'' کا مذاکرہ ہو اور ''فتوحاتِ مكيه'' (از شیخ محی الدین ابن عربی) کے ساتھ ''تفهيماتِ الٰهيه'' دیکھی جائے، اور سب سے آخر میں ''حجّة اللّٰه البالغه'' پر انہماک ہو، لیکن اس کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ''الفوز الكبير'' اور ''إزالة الخفاء'' کو بطورِ متممات اور حواشی کے سمجھ کر مطالعہ کیا جائے تو امام شاہ ولی اللہ کی تحقیقات آسانی سے سب سے ممتاز ہو کر سمجھ میں آجائیں گی۔''

10۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: آپؒ کی پیدائش نانوتہ میں 1248ھ/ 1832ء میں ہوئی۔ ابتدائی عمر میں ہی آپؒ سہارن پور تشریف لائے اور شیخ محمد نواز سہارن پوری سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے تمام درسی کتب اور علومِ ولی اللّٰہی پڑھے۔ پھر حضرت شیخ عبدالغنی مجددیؒ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ طریقت اور سیاست کا سلسلہ حضرت شیخ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے حاصل کیا۔ آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ علمی حوالے سے آپؒ نے دین اسلام

میں پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کے جوابات عیسائیوں اور آریہ سماج کے لوگوں سے مناظروں میں دیے۔ اور ان پر دین اسلام کے دلائل دے کر غلبہ پایا۔ آپؒ کے فلسفہ اور فکر کی اہم تصنیفات: ''آبِ حیات''، ''قبلہ نما''، ''تقریر دل پذیر''، ''حجة الاسلام''، ''دلیل المحکم'' اور اہم علمی مکتوبات ''قاسم العلوم'' وغیرہ ہیں۔ آپؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ولی اللّٰہی خانوادے کے دیگر حضرات کے علوم وافکار اور طرزِ استدلال وفکر وفلسفہ کو آگے بڑھایا۔ آپؒ کا انتقال جمعرات کے دن 04/ جمادی الاولیٰ 1297ھ/ 1880ء میں دیوبند میں ہوا اور وہیں آپؒ کا مزار ہے۔

(تلخیص نزهة الخواطر۔ ج:07۔ ص:420 تا 422)

11۔ تلخیص تقریرِ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ تفسیر سورت الاخلاص۔ تفسیر المقام المحمود۔ ص:210 تا 213۔ طبع: ناشران انٹرنیشنل بک کارپوریشن۔ ہیرآباد، حیدرآباد، سندھ۔ مطبوعہ: 1959ء۔

12۔ حضرت سندھیؒ کی اصل عبارت یہ ہے: ''فالأفكار الإسلامية مركزها هو توحيد الرّبّ فقط. و هٰذا معنٰى سورة الإخلاص. فبيان التوحيد مثل ذالک كأنّهٗ لايوجد فی كتب الديانات كلّها ... و بيان التوحيد كأنّهٗ لانظير لهٗ. هٰذا هو مركز الأفكار الإسلامية فرغنا بذالک من تعيين جزءٍ عظيمٍ من أجزاء الفلسفة.''

(دیکھیے! تفسیر سورت الاخلاص۔ الہام الرحمٰن (قلمی)۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ج:01۔ ص:154۔ عکس مخطوطہ نمبر 14565۔ ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد)

13۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:30-729۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

14۔ ایضاً۔ ص:734۔

15۔ تفسیر المقام المحمود۔ تفسیر سورت الاخلاص۔ ص:201 و 203۔

16۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:734۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

17۔ تفسیر سورت الاخلاص۔ تفسیر المقام المحمود۔ ص:202۔

18۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:735۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

19۔ تفسیر المقام المحمود۔ تفسیر سورت الاخلاص۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:03-202۔

20۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:36-735۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

21۔ ایضاً۔ ص:736۔

22۔ القرآن (3:5)۔

23۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:731۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009۔

24۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ''تفسیر ابن کثیر'' میں لکھا ہے: ''عن أبی هريرةؓ أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم قال: ''إذا أمرتُكم بأمر فأتوا منهُ مااستطعتُم و ما نهيتُكم عنهُ فاجتنبوه.'' (دیکھیے! تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورت الحشر۔ ص:1850۔ طبع: بیروت)

25۔ ''وحدت الوجود'' کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے:

''یہ اصطلاح دو پہلوؤں سے استعمال ہوتی ہے: ایک تصوف اور سلوک کے حوالے سے ''سیر إلی اللّٰه'' (اللہ کی جانب سفر) کی مباحث میں اس اصطلاح کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''سالک اُس حقیقتِ جامعہ میں استغراق حاصل کرلے، جس نے کائناتِ عالم کو متعین کیا ہے۔ اس طور پر کہ وہاں ہر طرح کے امتیازات اور تفرقات ختم ہوکر رہ

جائیں۔'' شریعت اور عقل اس مقام کی خبر دیتی ہیں اور بڑے اچھے طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں بعض سالکین پہنچے اور پھر اللہ نے اُن کو اس سے اونچے درجے پر پہنچا دیا۔

دوسرے یہ کہ اس اصطلاح کا استعمال کائنات میں موجود اشیا کے حقائق کی معرفت کے حوالے سے ہوتا ہے۔ یعنی وہ اس پر غور کرتے ہیں کہ حادث (فنا ہو جانے والی اشیا) اور قدیم (ہمیشہ رہنے والی ذاتِ الٰہی) کے درمیان ربط اور تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''محققین نے یہ دیکھا کہ کائنات میں موجود تمام چیزیں مجموعی طور پر جوہر نہیں، بلکہ عرض ہیں۔ جو ایک حقیقتِ واحدہ میں جمع ہیں۔'' (تفهيماتِ الٰهيه۔ ج:02۔ تفہیم نمبر243۔ ص:64-263۔ طبع: حیدر آباد، سندھ)

26۔ تفسیر المقام المحمود۔ تفسیر سورت الفلق۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:215۔

27۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:737 تا 739۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء

28۔ تفسیر المقام المحمود۔ تفسیر سورت الفلق۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:215۔

29۔ القرآن (95:6)۔

30۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:42-741۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء

31۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔ تکملہ تفسیر سورت الناس۔ ص:793۔ طبع: دارالقرآن، اردو بازار، لاہور۔

32۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:38-737۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء

33۔ ایضاً۔ ص:742۔

34۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی اصل عبارت یہ ہے: ''معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح سبزہ خور جانوروں کی ضرر رَسانی (نقصان پہنچانے کی صلاحیت) محض اُن کی طبیعت کے مقتضیات (تقاضوں) میں سے تھی، اسی طرح ''شر'' کی اضافت ''ماخلق'' کی طرف بھی اسی جانب مشیر (اشارہ کرتی) ہے کہ یہ ''شر'' اس مخلوق میں ''من حیث ھو'' (مخلوق کی حیثیت سے) مخلوق کے واسطے ثابت ہے۔ اور اس کے صدور (ظاہر ہونے) میں بجز (سوائے) ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی (تقاضوں) کے اور کسی سبب کو دخل نہیں۔ جیسا کہ سانپ، بچھو اور تمام سباع و بہائم (درندے اور جانور) وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ نیش عقرب نہ از پئے کہ ایں است مقتضائے طبیعتش ایں است

(بچھو کا ڈنگ کسی اور وجہ سے نہیں ہے، اُس کی طبیعت کا تقاضا یہی ہے)

(تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔ تکملہ تفسیر سورت الناس۔ ص:793)

35۔ امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے: عن عائشةؓ أنّ النبيّ صلّى الله عليه و سلّم نظر إلى القمر، فقال: ياعائشة! إستعيذى بالله من شرّ هٰذا. فإنّ هٰذا هو الغاسق إذا وقب." (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ! اس لیے کہ یہی وہ غاسق ہے، جب غروب ہو جاتا ہے۔) دیکھیے! جامع ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ باب من سورتی المعوّذتین۔ حدیث نمبر3366۔ اس حدیث کو نسائی اور امام احمدؒ وغیرہ نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

36۔ تفسیر المقام المحمود۔ تفسیر سورت الفلق۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:216۔

37۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:38-737۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء

38۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔ تکملہ تفسیر سورت الناس۔ ص:803۔

39۔ ایضاً۔ص:743۔

40۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

41۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الفلق۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:217۔

42۔ ایضاً۔

43۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:744۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

44۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

45۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:744۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

46۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:219۔

44۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:46-745۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

48۔ ایضاً۔ص:746۔

49۔ ایضاً۔ص:49-748۔

50۔ القرآن (16:40)۔

51۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

52۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:20-219۔

53۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں انسانیت کی ترقی کا مدار چار قسم کے اخلاق حاصل کرنے میں ہے:
یعنی طہارت، سماحت، اخبات اور عدالت۔

(۱) ''طہارت'' سے مراد لباس، ماحول اور افکار کی پاکیزگی ہے۔

(۲) ''سماحت'' سے مراد ہے دنیاوی لذتوں میں انہماک نہ ہونا تاکہ انسان اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے وقت نکال سکے۔

(۳) ''اِخبات'' سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبے کا دل میں ہونا جس کی وجہ سے وہ اس کے احکام کی پیروی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

(۴) ''عدالت'' سے مراد ہے معاشرے میں سے ہر قسم کا ظلم وطغیان دور کرکے عدل وانصاف قائم کرنا۔تفصیل کے لیے دیکھو امام صاحب کا رسالہ ''ھمعات''، ''حجتہ اللّٰہ البالغہ'' اور ''بدور بازغہ''۔

(دیکھیے! حاشیہ از مولانا بشیر احمد لدھیانوی۔قرآنی شعورِ انقلاب۔ص:757۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

54۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:756۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

55۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:220۔

56۔ امام ولی اللہ دہلویؒ (1703-1763) کی اجتماعیات (Sociology) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جب حیوانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہتا ہے جن میں کاشتکاری، چند برتنوں کا استعمال' زبان کا استعمال' لباس اور مکان کا استعمال کرتا ہے اور تعین زوجہ کرتا ہے۔اس منزل میں اس کی تخلیقات میں صفائی اور حسن کم ہوتا ہے۔اسے امام صاحب ارتفاق اول (The First Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔
اس کے بعد وہ بڑے بڑے قصبات آباد کرتا ہے اور ''ارتفاق اول'' کی چیزوں میں صفائی اور حسن کا اضافہ کرتا ہے۔اسے وہ

ارتفاق دوم (The Second Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔

اس سے آگے ترقی کر کے وہ معاشرے میں نظام حکومت قائم کرتا ہے۔ یہ ارتفاقات کی تیسری منزل (The Third Stage of Human Culture) ہے۔ جب وہ سیاسی قوموں میں بٹ گیا اور ان میں خونریزیاں ہونے لگیں تو بین الاقوامی حکومتیں قائم ہونے لگیں، تاکہ قوموں کو ان خونریزیوں سے روکا جائے۔ یہ بقول امام صاحب انسانی ترقی کی چوتھی اور آخری منزل یا ارتفاق چہارم (The Fourth Stage of Human Culture) ہے۔

(دیکھیے! حاشیہ از مولانا بشیر احمد لدھیانوی۔قرآنی شعورِ انقلاب۔ص:750۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

57۔ ایک انسان اپنی ضرورتیں پوری طرح سے محسوس کرتا ہے۔لیکن وہ اپنی ذاتی طاقتوں کے استعمال سے یہ ضرورتیں پوری نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جماعت جمع کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کے مطلب پورے ہونے لگتے ہیں۔ایسا انسان ''اجتماعی انسان'' کہلاتا ہے۔(دیکھیے! حاشیہ از مولانا بشیر احمد لدھیانوی۔قرآنی شعورِ انقلاب۔ص:751)

58۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص: 51-750۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

59۔ ایضاً۔ص:756۔

60۔ القرآن (76:5)۔

61۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

62۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:220۔

63۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص: 53-752۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

64۔ ایضاً۔ص:757۔

65۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

66۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:220۔

67۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص: 53-752۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

68۔ ایضاً۔ص:54-753۔

69۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:221۔

70۔ تقریر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ۔ دیکھیے حاشیہ تفسیر عثمانی۔تکملہ تفسیر سورت الناس۔ص:803۔

71۔ تفسیر المقام المحمود۔تفسیر سورت الناس۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:222۔

72۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔از امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص:55-754۔طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009ء۔

73۔ ایضاً۔ص:57-756۔

74۔ ایضاً۔ص:758۔

75۔ ایضاً۔ص:60-759۔

☆☆☆☆☆

سیاسیات

اسلام کا نظریۂ جنگ: مقاصد و ضوابط

(قرآن و سنت کی روشنی میں خصوصی مطالعہ)

تحریر: ڈاکٹر ذوالفقار علی

جہاد شریعتِ اسلامیہ کا ایک نہایت اہم شرعی حکم ہے، جسے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خیر کی چیز قرار دیا ہے۔(1) رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اسلام کی چوٹی ہے۔(2) سیرتِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے عملی جہاد کا نمونہ موجود و محفوظ ہے۔ فقہائے کرامؒ نے خصوصی طور پر اس موضوع پر الگ سے کتابیں لکھی ہیں۔(3) فقہ اسلامی کی ہر بڑی کتاب میں ''السیر و الجھاد'' کے عنوان سے تفصیلی احکام پائے جاتے ہیں۔(4) ان کتب میں قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد کی فرضیت، اُس کے مقاصد و اہداف اور شرائط و ضوابط وغیرہ کے جملہ پہلوؤں کو اس طرح زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ جس سے اس باب سے متعلق کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بدقسمتی سے موجودہ دور میں اسلام دشمن عناصر جہاد کے مقدس نام اور کام کو دہشت گردی اور انتہا پسندی سے جوڑ رہے ہیں۔ جسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف روایتی حسد و بغض کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض جذباتی مسلمانوں کی مسلح کاروائیاں، جو وہ جہاد کے نام پر کرتے ہیں، ان سے بہرحال اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ اسلام کے دیے ہوئے اصولوں اور ضابطوں کے مطابق نہیں ہیں۔ جہاد غلبہ دین کے لیے ہمہ جہت اور بساط بھر جدوجہد سے عبارت ہے۔ جس کی انتہائی شکل ''قتال فی سبیل اللّٰہ'' ہے، جو ایک مکمل اور آزاد نظام اور سسٹم کے تحت بامقصد مسلح جنگی کاروائی کا نام ہے اور اس کو ''جہاد بالنفس'' بھی کہتے ہیں۔ جس کا اجمالی تعارف حسبِ ذیل ہے:

1۔ قتال کی مصلحت اور حکم

اسلام میں اصل چیز جنگ و جدال کی بجائے ''امن و آشتی اور سلامتی'' ہے۔ بنیادی طور پر جنگ و جدال کوئی مطلوب و مقصود چیز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے، جسے قیامِ امن کے مقاصد کے تحت شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ قرآن و سنت میں ممکنہ حد تک جنگ سے بچنے، اور اگر کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح

کروانے کی تلقین کی گئی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' (5)

''اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''يَاأَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوْا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.'' (6)

''اے لوگو! دشمن سے جنگ کرنے کی تمنا مت کرو! اللہ سے عافیت مانگو۔''

اللہ تعالیٰ نے شریعتِ اسلامیہ میں بعض ناگزیر اجتماعی، سیاسی و معاشی مصلحتوں کی بنا پر اسلامی ریاست کو فتنہ و فساد ختم کرنے اور ظالموں کی سرکوبی کے لیے قوت و طاقت استعمال کرنے اور خون بہانے کی اجازت دی ہے۔ جس کی حکمت سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (7)

''اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک، لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔''

ایک دوسری آیتِ مبارکہ میں ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (8)

''اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔''

عہدِ نبوت میں مشرکینِ مکہ اپنی جہالت و عداوت اور بے رحمی کی بدولت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر طرح سے ایذا دیتے تھے۔ زبان سے طعنے دیتے اور سخت سست کہتے۔ ہاتھوں سے مارتے اور قید کر کے سخت سے سخت تکالیف دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت سمیہؓ (9) کو ابو جہل ملعون نے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ ایک مسلمان نوجوان حضرت حارث ابن ابی ہالہؓ (10) بھی شہید کر دیے گئے تھے۔ دو دفعہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ (11) رسول اللہ ﷺ کو تین سال تک تمام خاندانِ ہاشم سمیت شعبِ ابی طالب میں بھوک اور پیاس کی حالت میں محصور ہونا پڑا۔ (12) کئی بار آپ ﷺ پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ اس سب کے باوجود جب صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کے خلاف جنگ کرنے اور ان سے بدلہ لینے کی بات کرتے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ (13)

علما کے نزدیک قرآنِ مجید میں ستر سے زائد ایسی آیاتِ مبارکہ ہیں، جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ہیں۔ جن میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو صبر اور عفو و درگزر کی تلقین گئی ہے۔ ان میں سے چند آیاتِ مبارکہ یہ ہیں:

''فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ'' (14)

''سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول۔ اور جلدی نہ کر ان کے معاملہ میں۔'' (15)

''فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ'' (16)

''اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا ہوا۔'' (17)

''كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ'' (18)

''اپنے ہاتھ تھامے رکھو۔''

''خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴿١٩٩﴾'' (19)

''عادت کر درگزر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے''

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ جنگ کی اجازت کے حوالے سے جو آیتِ مبارکہ سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ تھی:

''أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا'' (20)

''حکم ہوا اُن لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔''

یہ اجازت بھی اس وقت ملی، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ پھر اس اجازت کے ساتھ ساتھ ریاست میں بسنے والے لوگوں کے مفاد کے لیے ''قتال فی سبیل اللّٰہ'' کو فرض قرار دے دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴿٢١٦﴾ (21)

''فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمھارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمھارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

فقہا کے نزدیک جب دشمن، اسلامی ریاست پر حملہ کر دے اور سربراہِ مملکت ''نفیر عام'' (عام اعلان) کر دے تو پھر جان و مال سے جہاد ہر ایک مسلمان پر نماز روزے کی طرح فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (22) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴿٤١﴾ (23)

''نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمھارے حق

میں اگر تم کو سمجھ ہے۔''

ایسی صورت میں قرآنِ مجید کا یہ حکم ہر اس کلمہ گو مسلمان مرد، عورت، بچے، بوڑھے، تندرست اور مریض پر عائد ہوتا ہے، جس میں ذرا بھر بھی لڑنے کی سکت اور استطاعت ہو۔(24)

''نفیرِ عام'' (اعلانِ عام) کے بعد بچے کی اپنے والدین اور عورت کی اپنے ولی یا شوہر سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔(25)

2۔ مقاصد و اہداف

شریعتِ اسلامیہ میں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص مقاصد و اَہداف کے حصول کی خاطر دی گئی ہے۔ اگر وہ مقاصد و اہداف پیشِ نظر نہ ہوں تو شرعی اعتبار سے زمین پر لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو داؤ پر لگانا اور ناحق خون بہانا جائز نہیں ہے۔ قرآنِ مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کے مطالعے سے جنگ و جہاد کے جو مقاصد و اہداف سامنے آتے ہیں، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

الف: اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کے غلبے کے لیے)

''اعلائے کلمۃ اللہ'' سے مراد دنیا میں دین اسلام کے اصولوں کی سربلندی اور غلبہ ہے، جو کہ جہاد کا پہلا اور بنیادی مقصد و ہدف ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

''اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر، تا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر، اور چاہے بُرا مانیں مشرک۔''(26)

ایک اور آیتِ مبارکہ میں ہے:

''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ''(27)

''اور لڑتے رہو ان سے، یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے حکم سب اللہ کا۔''

حدیثِ پاک میں رسولِ پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''اُمرتُ اَن اُقاتل النّاس حتّٰی یقولوا: "لا إله إلا اللّٰه". فمن قالها فقد عصم منّی ماله و نفسه إ لا بحقّه و حسابه علی اللّٰه.'' (28)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کلمہ "لا إلٰه إلا اللّٰه" کہہ دیں۔ پھر جس نے یہ کلمہ "لا إلٰه إلا اللّٰه" کہہ دیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کر لیا، سوائے

اس حق کے جس کا لینا اللہ پر ہے۔''

کلمہ کہنے سے مقصود اس کے غلبے کو تسلیم کرنا، جس میں دائرۂ اسلام میں آنے کی اعلیٰ صورت اور کم از کم دینی نظام کی بالادستی قبول کرنا شامل ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک حدیثِ مذکور جزیرۃ العرب کے پس منظر میں ہے کہ وہاں دو دین نہیں رہ سکتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''الإسلام يعلو ولا يُعلىٰ.'' (29)

''اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔''

یعنی اسلام کے فطرتی اصول وضوابط ہمیشہ سر بلند رہیں گے۔ ان پر کسی دوسرے دین کے اصول وضوابط فوقیت حاصل نہ کرسکیں گے۔ لہٰذا ان اصولوں کے غلبے کے لیے لڑنا جہاد کا اوّلین مقصد و ہدف ہے۔

ب: دارالاسلام کا دفاع

دارالاسلام اس ریاست کو کہتے ہیں، جس میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔ وہاں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین بھی نافذ ہوں۔ (30) ایسی ریاست پر اگر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو اس کا دفاع کرنا، وہاں کے مسلمانوں کی اجتماعی ذمے داری اور جہاد کا دوسرا بڑا مقصد ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

''وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا'' (31)

''اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے، جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو۔''

عہدِ نبوت میں مدینہ منورہ مسلمانوں کے لیے پہلا دارالاسلام بنا تو اس پر مشرکینِ مکہ کئی بار حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے دارالاسلام کے تحفظ و دفاع کی خاطر اِن سے بدر، احد اور احزاب جیسی کئی جنگیں لڑی ہیں۔ السرخسیؒ (م490ھ/1097ء) (32) جہاد کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والمقصود أن يأمن المسلمون و يتمكّنوا من القيام بمصالح دينهم و دنياهم'' (33)

یعنی جہاد کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو امن میسر ہو اور وہ اپنے دینی و دنیاوی مقاصد کی تکمیل امن کی حالت میں رہ کر ادا کرسکیں۔ گویا دارالاسلام کو ہر قسم کے فتنے اور جارحیت سے محفوظ رکھنا، جہاد کا مقصد اور ہدف ہے۔

ج: معاہدات کی پاس داری

دنیاوی معاملات ہمیشہ معاہدات کو پورا کرنے سے ہی چلتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کو حکم ہے کہ:

''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' (34)

''معاہدات کی پاس داری کرو۔''

اگر کوئی قوم یا ملک اسلامی ریاست سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی پر اتر آئے تو ایسی صورت میں قرآنی حکم ہے کہ معاہدہ ختم کرنے کے بعد معاہدہ شکن اور غدار قوم کے خلاف بھرپور فوجی کاروائی ہو۔ تاکہ انھیں آئندہ کے لیے عبرت ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝ (35)

''جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے، ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔ سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو اُن کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں اُن کے پچھلے تاکہ ان کو عبرت ہو۔''

عہدِ نبوت میں مدینے کے یہودی قبیلوں: بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ کے خلاف عہد شکنی کی وجہ سے ہی فوجی کاروائی عمل میں لائی گئی تھی۔ (36) اور ایسا ہی معاملہ قریشِ مکہ کے خلاف بھی کیا گیا تھا۔ (37)

د: سفارت کاروں کا تحفظ

جہاد کا ایک اہم مقصد سفارت کاروں کے تحفظ کو یقینی بنانا بھی ہے۔ دنیا میں بین الاقوامی تعلقات استوار کرنے میں سفارت کار کا نہایت اہم کردار ہوتا ہے۔ قوموں اور ریاستوں کے درمیان معاہدات کروانے اور تعلقات کو مضبوط کرنے میں قدیم زمانے سے ہی انھیں اقوامِ عالم میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ سفارت کار کا بغیر پیشگی اجازت کسی ملک میں چلے جانا یا وہاں سے واپس آنا، سربراہِ مملکت سے ملاقات کرنا، پیغام رسانی کا کام کرنا، جان و مال کا تحفظ ہونا اور چند دیگر مراعات کا حاصل کرنا ان کا ہمیشہ سے حق رہا ہے۔ سفارت کار چوں کہ اپنی قوم اور ریاست کا نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی بات گویا اس کے بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے۔ (38) اس لیے اس کی عزت و توقیر اس کے بھیجنے والے کی عزت و توقیر تصور کی جاتی ہے۔ اگر کوئی قوم یا ریاست کسی سفارت کار کو نقصان پہنچائے، گرفتار کرے، قید میں رکھے یا قتل کردے تو یہ ایک ایسا جرم تصور کیا جاتا ہے، جس کے خلاف اسلامی قانون کے مطابق جنگ کی جاسکتی ہے۔ (39)

ھ: کمزوروں اور مظلوموں کی نصرت

دنیا کے کمزور اور مظلوم طبقوں کی مدد کرنا اور انھیں ظالموں کے چنگل سے نکالنا بھی قتال فی سبیل اللہ کا ایک اہم مقصد اور مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (40)

''اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور اُن کے واسطے جو مغلوب ہیں، مرد اور عورتیں اور بچے، جو کہتے ہیں: اے ربّ ہمارے! نکال ہم کو اس بستی سے۔ یہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار۔''

ایک اور آیت مبارکہ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (41)

''اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا، تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں، جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے اُن کی مدد کرنی، مگر مقابلے میں اُن لوگوں کے کہ اُن میں اور تم میں عہد ہو، اور اللہ جو تم کرتے ہو اُس کو دیکھتا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں معاہد ریاست کے معاملے میں استثنائی صورت ہے۔ البتہ اگر معاہد ریاست ظلم پر اتر آئے تو پھر اس سے تعلقات برقرار رکھنے یا نہ رکھنے پر نظرِ ثانی ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ عدل کا نظام قائم کرنا اور ظلم کا خاتمہ اسلام کا مقصد اور اس کی بنیادی پالیسی ہے، جس سے پیچھے ہٹنا اسلام سے منحرف ہونے کے مترادف ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ

''اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمھارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔'' (42)

رسول اللہ ﷺ اور قریشِ مکہ کے درمیان سن 06 ہجری کو ''صلح حدیبیہ'' ہوئی تھی، جس میں معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ جو کوئی قبیلہ محمد (ﷺ) کے معاہدے اور ذمے داری میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ ایسا کر سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمے داری میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ اس پر خزاعہ نے کہا کہ ہم محمد (ﷺ) کے معاہدے اور ذمے داری میں شریک ہوتے ہیں۔ بنوبکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے او رذمے داری میں شریک ہوتے ہیں۔ (43) اس معاہدے کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف (غیر مسلم) قبیلے خزاعہ پر بنوبکر نے حملہ کر دیا۔ خزاعہ نے حدودِ حرم میں پناہ لی۔ بنوبکر نے حرمِ پاک کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے بڑی بے دردی کے ساتھ خزاعہ کے لوگوں کو قتل کیا۔ جس میں قریش نے بنوبکر کو اسلحہ فراہم کیا اور رات کو چھپ کر بنوبکر کا ساتھ بھی دیا، جو کہ کھلم کھلا معاہدے کی خلاف ورزی اور ظلم تھا۔ (44) رسول اللہ ﷺ کو جب اس ظالمانہ داستان کا علم ہوا تو آپؐ نے قریش مکہ سے معاہدۂ صلح ختم کر کے ان کے خلاف جنگی اقدام اٹھایا، جس

کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا۔(45)

3۔ شرائط وضوابط

شریعتِ اسلامیہ میں جنگ کی اجازت چند شرائط وضوابط سے وابستہ ہے۔اگر وہ پوری ہوں تو حسبِ ضرورت جنگ کی اجازت ہوگی، ورنہ نہیں۔قرآن وسنت میں قتال کے لیے جن شرائط کو ضروری قرار دیا گیا ہے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

الف: آزاد وخودمختار سیاسی نظام

شریعتِ اسلامیہ میں جہاد وقتال کا فریضہ اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کی ذمے داری ہے۔انفرادی طور پر کسی شخص یا گروہ کا دشمن اسلام کے خلاف مسلح کارروائی کرنا درست نہیں ہے۔کیوں کہ اس سے اسلام کے پیش نظر جو مقاصد ہیں، ان کا حصول ممکن نہیں رہتا۔اُلٹا ایسی کارروائی سے فتنے اور فساد کو تقویت ملتی ہے، جس سے اسلام دشمن عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں۔قرآن وسنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جہاد کی اجازت اسی وقت دی ہے، جب ان کے پاس باقاعدہ طور پر ریاست اور سربراہِ مملکت موجود ہو۔قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ جن شخصیات کے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں دو بادشاہ اور دو پیغمبرؑ شامل ہیں۔(46) جن کے پاس اپنے دور کی مضبوط ترین ریاستیں تھیں۔رسول اللہ ﷺ کو بھی جہاد کی اجازت اسی وقت ملی، جب آپ نے مدینہ منورہ میں ریاست قائم کر لی تھی۔قرآنِ مجید میں ہے کہ بنی اسرائیل کو جب ایک ظالم بادشاہ (جالوت) کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام (47) سے ایک بادشاہ کے تقرر کا مطالبہ کیا تھا، تا کہ اس کی سربراہی میں وہ جنگ کریں۔خداوندِ قدوس نے اہل ایمان کو ان کی یہ روداد ان الفاظ میں سنائی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىٕنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ (48)

''کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعتِ بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد، جب انھوں نے کہا اپنے نبی سے: مقرر کر دو ہمارے لیے ایک بادشاہ، تا کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں، پیغمبر نے کہا: کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو؟ وہ بولے: ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے۔پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے، مگر

تھوڑے سے ان میں کے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گناہ گاروں کو۔''

قتال میں سربراہِ مملکت کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَ يُتَّقٰى بِهٖ) (49)

''امام ایک ڈھال ہے۔ اسی کی سرپرستی میں جنگ لڑی جاتی ہے اور اسی کی سرپرستی میں بچاؤ کیا جاتا ہے۔''

امام محمد بن الحسن شیبانیؒ (م189ء/805ء) (50) نے اپنی کتاب ''السیر الکبیر'' میں ایک باب ''اَلْجِهَادُ مَعَ الْاُمَرَاءِ'' (51) کے نام سے تحریر کیا ہے۔ جس میں انھوں نے بالتفصیل اس بات کا جائزہ پیش کیا ہے کہ مسلمانوں کی دشمن کے خلاف جنگ ہمیشہ حکمران کی سرپرستی میں ہی لڑی جاتی ہے، اس کے حکم یا سرپرستی کے بغیر نہیں۔ اس ضمن میں وہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہی ہیں:

''اَلْجِهَادُ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ.''

یعنی ''جہاد ہر طرح کے امیر کے ہمراہ ہوسکتا ہے۔''

علامہ سرخسیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''أَىْ عَادِلاً كَانَ أَوْ جَائِرًا فَلَا يَنْبَغِى لِلْغَازِى اَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ الْجِهَادِ مَعَه'' (52)

''یعنی حکمران عادل ہو یا ظالم، غازی کا اس کی سرپرستی میں جنگ لڑنے سے انکار درست نہیں ہے۔''

یہ حدیث سننِ ابی داؤد میں حسبِ ذیل الفاظ سے مروی ہے:

'' قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا.'' (53)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''جہاد تم پر ہر طرح کے امیر، خواہ وہ نیک ہو یا بد، کے ہمراہ ہی واجب ہے۔''

چوں کہ کوئی بھی جنگ بغیر نظم و ضبط اور سسٹم کے لڑی نہیں جاسکتی، اس لیے شرعی جہاد کے لیے بااختیار سیاسی نظام کی سرپرستی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

برِصغیر پاک و ہند کے عظیم مجاہد سیّد احمد شہیدؒ کو جب سکھوں کے خلاف مسلح کارروائی کرنے کی ضرورت پڑی تو انھیں مؤرخہ 11/جنوری 1827ء کو ''ہنڈ'' کے مقام پر تالاب کے کنارے، باقاعدہ طور پر اسلامی ریاست و امارت کا اعلان کرنا پڑا۔ (54)

غلام رسول مہر (م1971ء) (55) سیّد احمد شہیدؒ کی بیعتِ امامتِ جہاد کی ضرورت کے حوالے سے لکھتے

ہیں:

''اکوڑہ اور بازار کی لڑائیوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ اہل سرحد میں نظم و جمعیت قطعاً موجود نہیں اور نہ ان کے سامنے دینی مقاصد ہیں۔ وہ مال اسباب کے والہ اور شیفتہ تھے۔ سید صاحب کا ساتھ دیتے تو اس لیے نہیں کہ ان بلند اغراض کے لیے جانیں لڑائیں، جن کی خاطر آپ وطنِ عزیز سے سرحد پہنچے تھے۔ محض مال کی غرض سے معیت اختیار کرتے۔ جب مال مل جاتا تو رزم و پیکار کی مصلحت سے بے پروا ہو کر گھروں کی راہ لیتے۔ انھیں بھیڑ یا انبوہ تو کہا جا سکتا تھا ''جماعت'' نہیں کہا جا سکتا تھا۔ جس کے لیے مختلف افراد میں وحدتِ فکر و عمل اور وحدتِ مقاصد ضروری ہے۔ ....ضروری تھا کہ ان لوگوں کی تنظیم و تربیت کا بندوبست کیا جاتا۔ یہ کام ایک مرکزِ اطاعت و انقیاد کی تاسیس کے بغیر شروع نہیں کیا جا سکتا تھا۔'' (56)

اس بات کا ذکر سیّد صاحب نے خود بھی اپنے ایک خط میں یوں کیا ہے:

''واز اعظمِ سوانح عجیبہ ایں است کہ از بس کہ مجمع جنودِ مجاہدین، در ہر دو نوبت مثلِ بلوائے عام ولشکرِ بے سر بود، و در کوچ و مقام بے انتظام۔ ولہٰذا غنائم ہر دو نوبت بر قانونِ شرعِ شریف منقسم نہ گردیدہ، بلکہ ہر کہ از ایشاں چیزے بدست آوُردہ خفیہ بخانۂ خود بُردہ۔ بناءً علیہ جمہور مؤمنینِ حاضرین از ساداتِ کرام وعلمائے عظام، ومشائخ ذوی الاحترام، وامرائے عالی مقام، وسائرِ خواص وعام از اہل ایمان واسلام، کہ درآں مقام حاضر بودند، بر ایں معنی اتفاق نمودند کہ اقامتِ جہاد وازالۂ کفر وفساد بدونِ نصبِ امام بر وجہ مشروع صورت نمی بندد۔ بناءً علیہ بتاریخ دوازدہم (۱۲) جمادی الآخرۃ ۱۲۴۲ ہجری قدسی بیعتِ امامت بردستِ فقیر بجا آوُرد، و رِبقہ اطاعتِ فقیر در گردنِ خود ہا انداختند۔ و بروزِ جمعہ خطبہ بنامِ فقیر خواندند۔ انشاء اللہ بہ برکتِ ادائے ایں رکنِ رکین یعنی نصبِ امام کہ مدارِ اکثر احکامِ دین است، ضرور بالضرور انشاء اللہ الغفور مظفرّ ومنصور خواہند گردید۔'' (57)

''ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کوچ و مقام میں کہیں کوئی نظم نہیں تھا۔ اِس لیے مالِ غنیمت شرعِ شریف کے قانون کے مطابق تقسیم نہ ہو سکا۔ اِس بنا پر تمام مسلمانوں نے، جو موجود تھے، جن میں سادات، علما و مشائخ، اُمرا اور خواص وعوام تھے، بالاتفاق اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر و فساد کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسنون اور شرعی طریقے پر انجام نہیں پا سکتا۔ اِس بنا پر ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا۔ جمعہ کے روز خطبہ بھی اس فقیر کے نام کا پڑھا گیا۔ انشاء اللہ اس رکنِ رکین کے ادا کرنے کی برکت سے، جس پر دین کے اکثر احکام کا مدار ہے، فتح و نصرت ظاہر ہو گی۔''

الغرض جہاد کے لیے مسلح افواج کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ جنگی ساز و سامان اور اسلحے کی فراہمی، جنگ کا اعلان و اختتام، فتح و شکست کی صورت میں قیدیوں اور عام عوام کے مسائل کا حل، مالِ غنیمت کی تقسیم، جزیہ و خراج کا نفاذ، تاوانِ جنگ کی وصولی یا ادائیگی، سرحدات کی حفاظت اور فتنہ و فساد کی روک تھام کے لیے حدود و تعزیرات کا نفاذ وغیرہ ایسے بے شمار شرعی مسائل ہیں، جو ریاست و امارت کے بغیر حل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس شرط کے بغیر انفرادی طور پر کسی گروہ کا قتال کی کارروائی کرنا درست نہیں ہوگا۔

ب: اولی الامر کی اطاعت اور نظم و ضبط کی پابندی

قرآن و سنت میں جہاد کے لیے جو دوسری اہم شرط بیان ہوئی ہے، وہ اولی الامر (حاکم اور امیر) کی اطاعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (58)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔''

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ:

''بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْيُسْرِ وَ الْعُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَكْرَهِ.'' (59)

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسانی اور تنگی میں، پسند اور ناپسند میں، سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تھی۔''

جنگ کے دوران میں قوموں کی فتح و شکست کا دار و مدار مسلح افواج کا حکمران اور کمانڈر کی بات سننے اور اطاعت کرنے سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے دنیا بھر میں افواج کو مطیع کرنے کے لیے اسے مختلف آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے اور اطاعت کے جذبے کا امتحان لیا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ طالوت کا ایک عمل یوں بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (60)

''پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر، کہا: بے شک اللہ تمھاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے، سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے، مگر جو کوئی

بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے، پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے، پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی ، کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے، بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَنْ أَطَاعَ أمِيْرِی فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَ مَنْ عَصَی أَمِيْرِی فَقَدْ عَصَانِی.'' (61)

''جس نے میرے متعین کردہ امیر کی اطاعت کی، گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے متعین کردہ امیر کی نافرمانی کی، گویا اس نے میری نافرمانی کی۔''

امام محمد بن الحسن شیبانی (189ھ/805ء) امیر کی اطاعت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ دَارَالْحَرْبِ لِلْقِتَالِ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ. عَزَّوَ جَلَّ. فَاَمَرَ هُمْ اَمِيرُهُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْحَرْبِ، فَاِنْ كَانَ فِيْمَا أَمَرَهُمْ بِهٖ مَنْفَعَةٌ لَهُمْ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يُطِيْعُوْهُ.'' (62)

''اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب لشکر دارالحرب میں جنگ کے لیے داخل ہو اور ان کا امیر جنگ کے معاملے میں انھیں کوئی حکم دے، جس میں لشکریوں کا ہی فائدہ ہو، تو ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کریں۔''

امام سرخسیؒ (م490ھ/1097ء) لکھتے ہیں:

''اَلطَّاعَةُ فِی الْحَرْبِ أَنْفَعُ مِنْ بَعْضِ الْقِتَال.'' (63)

''دورانِ جنگ اطاعت لڑائی سے زیادہ نفع مند ہوتی ہے۔''

کیوں کہ جہاد میں محض خون بہانا کوئی مطلوب و مقصود چیز نہیں ہے۔ اگر ہر شخص اپنی من مانی شروع کر دے تو پھر وہ مقاصد حاصل نہ ہو سکیں گے، جن کے حصول کی خاطر شریعت نے جہاد و قتال کی اجازت دی ہے۔ اور فقہا کی یہ بات بڑی حد تک واضح ہے کہ:

''لا تَظْهَرُ فَائِدَةُ الْاِمَارَةِ بِدُوْنِ الطَّاعَةِ.'' (64)

''اطاعت کے بغیر حکومت کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔''

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں تیراندازوں کے ایک دستے کو جبلِ احد کے ایک درّے پر تعینات کیا اور حکم دیا کہ وہ کسی صورت بھی اپنی جگہ نہ چھوڑیں، مگر اس دستے میں سے بعض نے دشمن کو شکست کھاتے دیکھا تو عبداللہ بن جبیرؓ کے منع کرنے کے باوجود مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے دوڑ لگا دی اور اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے بعد میں مسلمانوں کو اسی جانب سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (65) قرآنِ مجید میں

یہ واقعہ یوں ذکر ہوا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ (66)

''اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز، کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت۔''

غزوۂ خیبر کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو کچھ دنوں کے لیے جنگ سے روک دیا تھا، مگر ایک شخص باز نہ آیا اور اس نے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ کی اور قتل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ: ''ایسے بدبخت کے لیے تو جنت بھی نہیں ہے۔'' (67)

ج: اہلیتِ جنگ

شریعتِ اسلامیہ میں کسی بھی حکمِ شرعی کی ادائیگی کے لیے مکلّف میں بنیادی قسم کی اہلیت کا موجود ہونا نہایت ضروری امر تصور کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ (68)

''اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو جس قدر، مگر اس کی گنجائش ہو۔''

اسلام کے قانونِ جنگ کے مطابق جہاد کا حکم صرف ان ہی لوگوں کے لیے ہے، جن میں باعتبارِ اہلیت حسبِ ذیل قسم کی سات شرائط پائی جائیں۔ (69)

1۔ بالغ ہونا

جہاد کے واجب ہونے کی پہلی شرط بلوغت ہے۔ جب تک بچہ بالغ نہ ہو، اس وقت تک شریعت کے دیگر احکام کی طرح حکم قتال بھی اس پر واجب نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ (70)

''نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو، کچھ گناہ، جب کہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ۔''

مفسرین کے نزدیک آیت بالا میں لفظ ''اَلضُّعَفَاۗءِ'' سے مراد بچے ہیں۔ کیوں کہ ان کا بدن بالغ آدمی کے

مقابلے میں کمزور اور ضعیف ہے۔ (71) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ وَ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ.'' (72)

''تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا: سوئے ہوئے سے، اس کے جاگنے تک۔ بچے سے اس کے بالغ ہونے تک۔ اور مجنوں سے اس کی عقل لوٹنے تک۔''

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت، رافع بن خدیج، براء بن عازب، انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کو کم عمری کی وجہ سے راستے سے واپس کر دیا تھا۔ (73) عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ''غزوۂ احد میں شرکت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مجھے پیش کیا گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ اور مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہ ملی۔ پھر غزوۂ خندق کے موقع پر دوبارہ پیش کیا گیا تو اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ (74) اسی طرح جنگ میں شریک ہونے والے بالغ شخص کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جاتا ہے، جب کہ نابالغ کے لیے ایسا کوئی حصہ نہیں ہے۔ سوائے اس انعام کے جو امام اگر دینا چاہے تو اسے دے دے۔ (75)

2۔ عقل و شعور کا ہونا

جہاد کے واجب ہونے کی دوسری شرط عقل و شعور کا ہونا ہے۔ کسی شخص میں عقل و شعور کی صفت نہ ہو تو اس پر جہاد میں شرکت واجب نہ ہوگی۔ فقہا کے نزدیک عقل سے مراد وہ آلۂ تمیز ہے، جس سے انسان اور حیوان کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ (76) یا عقل اس قلبی نور کو کہتے ہیں، جس سے حق اور باطل کی پہچان کی جاتی ہے۔ (77) اصولِ فقہ میں ''قدرة فهم الخطاب'' (78) یعنی شرعی حکم کو سمجھنے کی صلاحیت کو عقل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں ایسی عقل نہ ہو تو وہ شرعی احکام کا مکلّف نہیں ہے۔ کیوں کہ ''اَلْعَقْلُ شَرْطُ التَّكْلِيْفِ'' (79) ''شرعی حکم عقل کے ساتھ مشروط ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق بچے کی طرح مجنون شخص بھی مرفوع القلم ہے۔ (80) لہٰذا عقل و شعور سے ماورا شخص پر یہ حکم واجب نہ ہوگا۔

3۔ مسلمان ہونا

جہاد کے واجب ہونے کی تیسری شرط مسلمان ہونا ہے۔ لہٰذا غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاد و قتال کے جتنے بھی احکام دیے ہیں، ان میں صرف اہل ایمان کو مخاطب بنایا ہے۔ جیسا کہ حسبِ ذیل آیاتِ مبارکہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

i۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (81)

''اے ایمان والو! لے لو اپنے ہتھیار، پھر نکلو جدا جدا فوج ہو کر یا سب اکٹھے۔''

ii۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (82)

''اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ۔''

iii۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (83)

''اے ایمان والو! لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے اور چاہیے کہ ان پر معلوم ہو تمھارے اندر سختی اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔''

ایک جنگ کے دوران ایک زرہ پوش آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ: یارسول اللہ! میں پہلے جنگ کروں یا اسلام قبول کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کا سوال سن کر ارشاد فرمایا کہ: ''اَسۡلِمۡ ثُمَّ قَاتِلۡ.'' ''پہلے اسلام قبول کرو پھر جنگ کرو۔'' اس شخص نے اسلام قبول کیا اور پھر جنگ کی تو شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ: ''عَمِلَ قَلِیۡلًا وَاُجِرَ کَثِیۡرًا.'' (84) اس شخص نے عمل تھوڑا کیا، مگر اجر زیادہ پا گیا۔ اس لیے اس لیے فقہا کے نزدیک اسلامی لشکر اور فوج میں تمام جنگجوؤں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ (85)

4۔ مرد ہونا

جہاد کے واجب ہونے کی چوتھی شرط مرد ہونے کی ہے۔ عام حالات میں جب قتال کا حکم فرضِ کفایہ کے درجے میں ہو تو اس وقت جنس (Sex) کا مسئلہ بھی پیش آتا ہے کہ آیا یہ حکم عورتوں کے لیے بھی ہے یا صرف مرد ہی اس کے مخاطب ہیں؟ فقہا کے نزدیک عام حالات میں اس شرعی حکم کے صرف مرد ہی مخاطب ہیں عورتیں نہیں۔ کیوں کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ (86)

''اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا۔''

امام الشافعیؒ (م204ھ/ 819ء) اس آیتِ مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''فَدَلَّ عَلٰی اَنَّہٗ اَرَادَ بِذٰلِکَ الذُّکُوۡرَ دُوۡنَ الۡاِنَاثِ، لِاَنَّ الۡاِنَاثَ الۡمُؤۡمِنَاتِ وَ قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ﴾ (87) وَقَالَ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ (88) وَکُلُّ ھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ اَرَادَبِہِ الذُّکُوۡرَ دُوۡنَ الۡاِنَاثِ.'' (89)

''یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد عورتوں کے بجائے صرف مرد حضرات ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ عورتوں کے لیے تو مؤمنات کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''اور (ایسے تو) نہیں کہ مؤمن سب کے سب کوچ کریں'' نیز فرمایا کہ: ''تم پر

جنگ فرض کی گئی۔'' یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنگ میں عورتوں کے بجائے مرد حضرات مراد ہیں۔''

الشربینی (م977ھ/ 1570ء) لکھتے ہیں:

''اِطْلَاقُ لَفْظِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَنْصَرِفُ لِلرِّجَالِ دُوْنَ النِّسَاءِ.'' (90)

''مؤمنین کے لفظ کا اطلاق عورتوں کے بجائے صرف مردوں کے لیے ہے۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ و سَلَّمَ فِی الْجِھَادِ، فَقَالَ جِھَادُ کُنَّ الْحَجُّ.'' (91)

''میں نے عورتوں کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ: تم عورتوں کا جہاد حج کرنا ہے۔''

جنگ ایک مشکل اور سخت گیر عمل ہے، جس کی عورتیں متحمل نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ عورتوں کی جسمانی ساخت مردوں کے مقابلے میں انتہائی کمزور ہے۔ اس لیے علما عورت کو ضعفا میں شمار کرتے ہیں، جن کی جنگ میں شرکت ضروری نہیں ہے۔ (92)

5۔ جسمانی صلاحیت ہونا

جہاد کے واجب ہونے کی پانچویں شرط آدمی کا صحت مند ہونا ہے۔ جنگ چوں کہ قوت و طاقت کا نام ہے، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے جہاد کا فریضہ صرف ان ہی لوگوں پر عائد کیا ہے، جو بدنی لحاظ سے صحت مند ہوں اور ایسے تمام افراد، جو بدنی لحاظ سے لاغر اور کمزور ہوں، انھیں معذور قرار دیتے ہوئے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ط (93)

''نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جس کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ، جب کہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ۔''

ایک اور آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہے:

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ (94)

''نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف۔''

لہٰذا جہاد صرف اسی شخص پر واجب ہے، جو صحت کے حوالے سے چاق و چوبند اور تندرست ہو۔ بیمار اور کمزور افراد اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

6۔ آزاد و خود مختار ہونا

قتال کے واجب ہونے کی چھٹی شرط آدمی کی آزادی و خود مختاری سے متعلق ہے۔ یعنی آدمی ایسا آزاد اور خود مختار ہو کہ اپنا فیصلہ خود کر سکتا ہو۔ قدیم زمانے میں یہ مسئلہ خالص غلاموں کی آزادی سے متعلق تھا، جو اپنا کوئی بھی فیصلہ خود نہیں کر سکتے تھے۔ غلام چوں کہ مالی اور بدنی دونوں اعتبار سے اپنے آقا کی مرضی کے تابع ہوتا تھا، اس لیے اس پر حج کی طرح جہاد کا فریضہ بھی عائد نہ ہوتا تھا۔ (95)

7۔ اسباب و وسائل کا ہونا

قتال کے واجب ہونے کی ساتویں شرط زادِ راہ اور سواری وغیرہ اسباب و وسائل کا ہونا ہے۔ یعنی مقامِ جنگ تک پہنچنے کے لیے راستے کے اخراجات اور ایسی سواری کہ جس کے ذریعے وہاں پہنچا جا سکے۔ اگر کسی شخص کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو اس پر جہاد کا فریضہ عائد نہ ہوگا۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۹۲﴾ (96)

''اور نہ ان لوگوں پر، جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ، جب کہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ، نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تا کہ تو ان کو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں۔''

مطلوبہ اسباب و وسائل کی شرط اگرچہ اسی صورت میں ہے، جب دشمن دور دراز علاقے میں ہو، جہاں جانے اور واپس آنے کے لیے اخراجات اور سواری کی ضرورت پڑتی ہے اگر ایسی صورت نہ ہو تو یہ شرط ساقط ہو جائے گی۔ شاید اسی لیے بعض فقہا جہاد کے واجب ہونے کی چھ شرائط بیان کرتے ہیں۔ (97) دورِ حاضر میں یہ دونوں سہولتیں چوں کہ حکومت مہیا کرتی ہے، اس لیے کسی فوجی آدمی کی ذاتی سواری اور زادِ راہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

د: مسلح افواج اور فریضۂ جہاد

عصر حاضر میں ریاست کے تحفظ و سلامتی کے لیے مسلح افواج کا ادارہ قائم کیا جاتا ہے اور اس کے لیے ملکی بجٹ میں ایک خطیر رقم مختص کی جاتی ہے۔ چوں کہ عام حالات میں یہ ادارہ دشمن کی جارحیت کے انسداد کے لیے کافی تصور

کیا جاتا ہے۔ اس لیے مجاز نظام کے تحت اعلانِ جہاد و قتال کے بعد عوام الناس کے لیے جہاد میں شریک ہونا فرض عین کی بجائے فرض کفایہ بن جاتا ہے۔ (98) اِلا یہ کہ عمومی و عوامی جنگ کا اعلان ہو جائے۔

فقہی قاعدہ ہے:

''اِذَا حَصَلَ الْمَقْصُوْدُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِیْن.'' (99)

''جب کچھ لوگوں کے عمل سے مقصود حاصل ہو جائے تو باقی لوگوں سے اس عمل کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔''

فقہا اس قاعدے کا استدلال قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات مبارکہ سے کرتے ہیں:

1۔ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ (100)

''برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان، جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان، جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا۔''

2۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (101)

''اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے، سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ان کا ایک حصہ، تا کہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا کہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ بچتے رہیں۔''

اول الذکر آیتِ مبارکہ میں ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ'' سے معلوم ہوا کہ کسی عذر یا ضرورت کے تحت پیچھے رہ جانے والے افراد گناہ گار نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی جنگوں میں لشکر اور سرایا ایسے بھی بھیجے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اور کبار صحابۂ کرامؓ شریک نہ ہوئے۔ اگر ہر جنگ میں شرکت ضروری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی پیچھے نہ رہتے۔ (102) پھر کئی غزوات ایسے بھی ہیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو شریک ہوئے، مگر کچھ صحابۂ کرامؓ کو مدینہ منورہ میں اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت و انتظام اور دیگر امور کے لیے چھوڑ کر گئے مثلاً:

(i) غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی اہلیہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے رہنے کا حکم ہوا۔ (103)

(ii) غزوۂ تبوک میں حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم ہوا۔ (104)

(iii) ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا نام فلاں غزوے کے لیے لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کرنے جارہی ہے، فرمایا: ''اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ'' (105) ''جاؤ اور اپنی بیوی کے ہمراہ حج کرو۔''

(iv) ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کی فکر میں آپ کے ہمراہ جہاد کرنے کی نیت سے اس حال میں آیا ہوں کہ میرے والدین رو رہے تھے۔ ارشاد فرمایا: ''اِرْجِعْ عَلَيْهِمَا فَاضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا.'' (106) ''اپنے والدین کے پاس لوٹ جاؤ اور انھیں خوش کرو، جیسے غمگین کیا تھا۔''

قرآن وسنت کے درج بالا احکامات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ جنگ میں عام افراد کی شرکت ہر حال میں فرضِ عین نہیں ہے، بلکہ عام حالات میں یہ فرضِ کفایہ ہے۔ اور یہ کہ قتال انفرادی فریضہ نہیں، بلکہ اجتماعی فریضہ ہے، جس کو آزاد اور خود مختار نظام کی نگرانی میں سرانجام دیا جاتا ہے۔ اور دورِ حاضر میں تو خاص طور پر جب کہ مسلح افواج کا ایسا مستقل ادارہ موجود ہے، جو ریاست کی سرحدات کی حفاظت پر مامور ومتعین ہے۔ کسی عام فرد یا گروہ کا مسلح کاروائی کرنا یا ایسے فرد اور گروہ کا ساتھ دینا، جہاد وقتال کے اصول وضوابط کے لحاظ سے درست نہ ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ القرآن، سورۃ البقرۃ آیت نمبر: 216۔

2۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ''و ذروة سنامه الجهاد'' (صحيحة: 115:3)

3۔ ''السير و الجهاد'' کے نام سے صدرِ اسلام سے لے کر اب تک متعدد کتابیں لکھی گئیں، مگر تاریخ اسلام میں جو شہرت امام اوزاعی (157ھ/773ء) کی کتاب ''سیر الأوزاعی'' ابو یوسف (م182ھ/798ء) کی کتاب ''الرد علی سیر الأوزاعی'' اور امام محمد بن الحسن شیبانی (م189ھ/805ء) کی دو کتابوں ''السیر الصغیر'' اور ''السیر الکبیر'' کے علاوہ محمد بن احمد السرخسی (م490ھ/1097ء) کی کتاب ''شرح السیر الکبیر'' کو حاصل ہوئی، وہ شاید کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

4۔ فقہی کتب میں اسلام کے قانونِ جنگ پر ''کتاب السیر و ماجاء من ذالک'' کے عنوان سے پہلی بار لکھنے کا سہرا امام زید بن علی (م۱۲۰ھ/۷۳۷ء) کے سر ہے۔ جنھوں نے اپنی کتاب ''المجموع الفقهی'' میں اس پر تیرہ ابواب لکھے ہیں۔

5. الحجرات9:49۔

6. البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ (256ھ/870) ''الجامع الصحیح'' کتاب الجهاد و السیر، باب لاتمنوا لقاء العدو (ح/2861) ص1101/3.

7. البقرۃ251:2۔

8. الحج40:22۔

9۔ سمیہؓ بنت خباط، امّ عمار، صحابیہ (ش7ق ھ/ 614ھ) ابو حذیفہ بن المغیر ہ کی باندی تھیں۔ یاسرؓ بن عامر الکنانی المزحجی سے شادی ہوئی۔ غلامی کی صورت ہی میں عمارؓ پیدا ہوئے۔ مکے میں رسول اللہ ﷺ کی خفیہ دعوتِ اسلام کے دوران پورا گھرانہ مسلمان ہوا۔ کچھ ہی عرصے بعد برسرعام اسلام کا اظہار کرنے پر ابوجہل کے ہاتھوں بے دردی کے ساتھ شہید کی گئیں۔ اسلام میں پہلی شہادت ان ہی کی ہے۔(الزرکلی "الاعلام". ص:140.141/3)

10۔ حارث ابنِ ابی ہالہؓ (ش8ق ھ/616ء) رسول اللہ ﷺ کے ربیب، حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند، صحابی، رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ اظہارِ اسلام پر رکنِ یمانی کے پاس شہید کر دیے گئے۔(الزرکلی "الاعلام" ص158/2)

11۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کو اس لیے کہا کہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ وہاں ایک ایسا حکمران ہے، جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا "فَاِنَّ بِهَا مَلِكاً لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ أَحَدٌ" (ابن ہشام "السیرۃ النبویۃ" ص:344/1) 5 نبوی میں یہ پہلی ہجرت تھی، جس میں چار یا پانچ عورتیں اور گیارہ یا بارہ مرد شامل تھے۔ اس میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنت رسول ﷺ بھی شامل تھے۔ حبشہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ایک غلط افواہ کی وجہ سے یہ لوگ واپس آ گئے، مگر حالات جوں کے توں ہی تھے۔ اس لیے بعض صحابہ کرامؓ کو دوبارہ ہجرت کرنا پڑی۔ اب کی بار یہ تعداد 83 افراد تک پہنچ چکی تھی، جن میں 11 عورتیں بھی شامل تھیں۔ (دیکھیے: ابن سعد، الطبقات، ص207/1) اس ہجرت میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے، جن کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ جس میں اسے اور اہلِ حبشہ کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ نیز اس خط میں مسلمانوں سے حسنِ سلوک کی استدعا بھی شامل تھی۔ (محمد حمید اللہ۔ "الوثائق السیاسیۃ". ص:100)

12۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، ''سیرۃ النبی ﷺ'' مکتبہ مدنیہ۔ اُردو بازار، لاہور (۱۴۰۸ھ) ص:148/1۔

13۔ امیر علی ملیح آبادی، "مواھب الرحمٰن" مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ۔ (س۔ن) ص:228/14۔

14. الاحقاف46:35.

15۔ مفسرین اولوالعزم پیغمبروں میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو شمار کرتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی اقوام کے ظلم و ستم کے مقابلے میں صبر و استقامت اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ جنگ کی اجازت سے قبل رسول اللہ ﷺ کو مکی دورِ نبوت میں ان ہی انبیا علیہم السلام کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم تھا۔

16. القلم68:48.

17۔ آیتِ مبارکہ میں مچھلی والے پیغمبر سے مراد حضرت یونسؑ ہیں۔ (مولانا شبیر احمد عثمانی "تفسیر عثمانی" ص:734)

18. النسآء4:77.

19. الاعراف7:199.

20. الحج22:39.

21. البقرۃ2/216.

22. السرخسی "شرح السیر الکبیر". ص: 139/1؛ ابن قدامہ "المغنی فی الفقہ"، ص: 163/9؛ ابن تیمیہ "الفتاوی"، ص: 195/29.

23. التوبہ9:41.

24. السرخسی "شرح السیر الکبیر"، ص: 139/1؛ المرغینانی "الھدایہ"، ص: ۱۳۵/۲.

25. الشیبانی "السیر الکبیر"، 139/1.

26. التوبہ33:9.
27. الانفال39:8.
28. البخاری "الجامع الصحیح" کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، (ح/1335)، ص:507/2.
29. البخاری "الجامع الصحیح" کتاب الجنائز، باب "اذا اسلم الصبیی فمات هل یصلی علیه." ص:454/1.
30۔ دیکھیے! السرخسی "شرح السیر الکبیر"، ص:29/1؛ قلعه جی "معجم لغة الفقهاء"، ص:205.
31. البقرة190/2.
32۔ السرخسی کا نام محمد بن احمد بن ابی سہل، کنیت ابوبکر اور لقب شمس الائمہ ہے۔ خراسان کی ایک قدیم بستی سرخس میں (483ھ/1090ء) پیدا ہوئے۔ اسی کی نسبت سے "السرخسی" کہلائے۔ فقہ حنفی کے بہت بڑے فقیہ، اصولی، متکلم، محدث، مناظر، مجتہد اور امام محمد الشیبانی کی کتب کے شارح ہیں۔ زندگی میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن علمی مشاغل ہر جگہ جاری رکھے۔ اہم تصنیفات میں "الاصول فی الفقه"، "المبسوط"، "شرح السیر الکبیر" وغیرہ زیادہ مشہور و معروف ہیں۔
(دیکھیے: اللکنوی، م.ن. ص:206. الزرکلی، الأعلام، ص:315/5)
33. السرخسی "المبسوط" دارالمعرفة، بیروت، لبنان (1989ء)، ص:3/10.
34. المآئدة 01/6.
35. الانفال56.57/8.
36۔ ان قبیلوں کے ساتھ باون دفعات پر مشتمل "میثاقِ مدینہ" ہوا تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ہشام، م۔ن، ص:145.150/2)
37۔ قریشِ مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر جو صلح ہوئی، اس کے مطابق دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ (دیکھیے: ابن ہشام، م۔ن، ص:333/3۔332)
38. السرخسی "شرح السیر الکبیر". ص:43/2.
39۔ عہدِ نبوت میں رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عثمانِ غنیؓ کو قریشِ مکہ نے قید کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت حدیبیہ میں تھے، وہاں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانِ غنیؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر دو قسم کے اقدامات کیے: ایک تو قریشِ مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا۔ (حمید اللہ "The Muslim conduct of State" ص:293) دوسرے وہاں موجود چودہ سو صحابہؓ سے موت پر بیعت لی کہ ہم یہاں سے واپس نہ ہوں گے، جب تک کہ اپنے سفیر کا بدلہ نہ لے لیں اور یہ کہ خون کے آخری قطرے تک کو بہا دیں گے، مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ تاریخِ انسانی میں سفیر کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے خلاف شاید یہ پہلی دفعہ اعلانِ جنگ تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ پسند فرمایا۔ اور اسے موضوع بنا کر قرآنِ مجید میں ایک پوری سورت "الفتح" نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ہشام "السیرة النبویة"، ص:330/3) رسول اللہ ﷺ کے ایک اور سفیر حارث بن عمیر ازدیؓ جو شاہِ بصریٰ کے نام آپ ﷺ کا خط لے کر جا رہے تھے کہ راستے میں رئیس علاقہ بلقاء شرحبیل بن عمرو الغسانی نے "موتہ" کے مقام پر انھیں قتل کر دیا تھا۔ (الواقدی "کتاب المغازی" ص:755/2) جس کے خلاف باقاعدہ طور پر آپ ﷺ نے اعلانِ جنگ کیا۔ غزوۂ موتہ کا سبب یہی واقعہ تھا۔ (ابن ہشام "السیرةالنبویة"، ص:15/4)
40. النساء75/4.
41. الانفال72.73/8 .
42. هود 113/11.

43. ابن هشام "السيرة النبوية"، ص:32/4.
44. ابن هشام "السيرة النبوية"، ص:32/4.
45۔ خزاعہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف قبیلہ تھا، اس لیے اس قبیلے کے لوگوں نے آپ ﷺ کو ظلم کا بدلہ لینے کے لیے دہائی دی تھی۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ہشام "السیرۃ النبویۃ"، ص:36/4)
46۔ قرآن مجید میں مذکور مجاہد بادشاہوں میں سے طالوت اور ذوالقرنین، جب کہ پیغمبروں میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔
47۔ اس وقت بنی اسرائیل میں حضرت اشموئیل علیہ السلام پیغمبر تھے۔ ان سے درخواست کی گئی تھی کہ کوئی بادشاہ مقرر فرمائیں۔ (تفسیرِ عثمانی۔ص:51)
48. البقرة 2:247-246.
49. البخاری "الجامع الصحيح" كتاب الجهاد و السير، باب يقاتل من وراء الإمام و يتقٰى به (ح/ 2797) ص:1080/3.
50۔ محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی کا اصلی وطن دمشق کے قریب ''حرستا'' نامی ایک گاؤں تھا۔ والد وہاں سے ترک سکونت کر کے عراق آئے تو یہ واسط میں (135ھ/752ء) پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پرورش پائی اور جواں ہوئے۔ امام ابوحنیفہ (م150ھ/ 767ء) کے حلقۂ درس میں شامل رہے۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ امام مالک (م179ھ/795ء) کی شاگردی میں رہے۔ فقہ حنفی کی تعلیم قاضی ابویوسف (م182ھ/ 798ء) سے مکمل کی۔ اہل الرائے اور امام ابوحنیفہؒ کے لائق ترین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ نیز یہ امام شافعی کے اساتذہ میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ متعدد کتب تصنیف کیں، جو بعد میں فقہ حنفی کی اساس بنیں۔ جن میں سے "کتاب الاصل"، "الجامع الصغير"، "الجامع الكبير"، "السير الصغير"، "السير الكبير"، "كتاب الحجة على اهل المدينه" اور "الزيادات" وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ (الخطیب البغدادی "تاريخ بغداد"، ص:172/2)
51. الشيبانی "السير الكبير مع شرح السرخسی"، ص:110/1.
52. السرخسی "شرح السير الكبير"، ص:111/1.
53. ابو داؤد، سليمان بن اشعث (م275ھ/889ء) "السنن" دار الفكر، بيروت (س.ن)، كتاب الجهاد، باب فی الغزو مع ائمّة الجور. (ح/2533)، ص:18/3.
54۔ غلام رسول مہر، ''سید احمد شہید''، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور(1965ء)،ص:352۔
55۔ غلام رسول مہر، ادیب، عالم، محقق، صحافی، مولانا، ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب۔ انڈیا) کے ایک گاؤں پھول پور میں (1895ء) پیدا ہوئے۔ 1915ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے پاس کرنے بعد چند سال تک حیدرآباد (دکن) میں انسپکٹر مدارس رہے۔ مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ (قاسم محمود، سید، ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:1392)
56۔ غلام رسول مہر، ''سید احمد شہید''، ص:353۔352۔
57۔ محمد جعفر تھانیسری ''مکتوباتِ سید احمد شہید''، نفیس اکیڈمی۔ کراچی (1969) ص:60-59۔ سیّد ابوالحسن علی ندوی ''سیرتِ سیّد احمد شہیدؒ'' ناشر: ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، (س۔ن)، ص:415۔414۔
58. النسآء4:59.
59. مالک بن انس، الأصبحی، (م179ھ/) "المؤطا" دار احياء التراث العربی، مصر (س.ن) كتاب الجهاد،

باب الترغیب فی الجهاد، (ح/960)، ص:245.

60. البقرة2:249.

61. البخاری ''الجامع الصحیح'' کتاب الأحکام، باب قول اللّٰه تعالیٰ: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ، (ح/6718)، ص:2611/6.

62. الشیبانی ''السیر الکبیر''، ص:116/1.

63. السرخسی ''شرح السیر الکبیر''، ص:45/1 .

64. السرخسی ''شرح السیر الکبیر''، ص:45/1.

65۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ہشام ''السیرة النبویة''ص:70/3؛ القرطبی، م۔ن، ص:236/4۔

66. آل عمران 152:3.

67. الحاکم ''المستدرک علی الصحیحین''، (ح/2643)، ص:158/2.

68. القرآن. سورة البقرة 286.

69۔ دیکھیے: ابن قدامة ''المغنی''ص163/9؛ الشربینی، محمد خطیب (م977ھ/1570ء)''الاقناع'' دارالفکر، بیروت، لبنان (1415ھ)، ص:556/2؛ ابوشجاع، احمد بن الحسین بن احمد الاصفہانی ''متن ابی شجاع'' دارالامام، البخاری، دمشق (1398ھ/1987ء)، ص:224۔

70. التوبة 91:9

71۔ دیکھیے: الماوردی ''الحاوی الکبیر''۔ص117/4؛ الشربینی ''الاقناع''۔ص:556/2۔

72. ابو داؤد ''السنن'' کتاب الحدود، باب المجنون یسرق او یصیب حداً، (ح/4403)، ص:141/4.

73۔ دیکھیے: الماوردی ''الحاوی الکبیر''۔ص:115/14۔

74. البخاری، م.ن، کتاب المغازی، باب غزوۂ خندق (ح/3871)، ص:1504/4.

75۔ دیکھیے: الشافعی ''الأم''، ص:261/4۔

76۔ دیکھیے: القرطبی ''الجامع لأحکام القرآن''، ص:371/1؛ النووی ''تحریر الفاظ التنبیه''۔ص:198/1۔

77. الجرجانی ''کتاب التعریفات''، ص:197.

78. السرخسی ''اصول السرخسی''، ص:340/2.

79. عبدالعلی ''فواتح الرحموت''، ص:154/1.

80. ابو داؤد ''السنن''، کتاب الحدود، باب المجنون یسرق او یصیب حداً، (ح/4403)، ص:141/4.

81. النسآء 71:4.

82. الانفال 15:8.

83. التوبة 123:9.

84۔ دیکھیے: البخاری ''الجامع الصحیح''، کتاب الجهاد والسیر، باب عمل صالح قبل القتال (ح/2653)، ص:1034/3۔

85۔ دیکھیے: ابن قدامة ''المغنی''، ص163/9؛ الشربینی ''الاقناع''، ص:556/2؛ القرافی ''الذخیرة''، ص:393/3۔

86. الانفال 65:8.
87. التوبة 122:9.
88. البقرة 216:2.
89. الشافعی "احکام القرآن"، ص:22/2؛ مصنّف مذکور "الأم"، ص:162/4.
90. الشربینی "الاقناع"، ص:557/2.
91. البخاری "الجامع الصحیح"، کتاب الجهاد و السیر، باب جهاد النسآء (ح/2720)، ص:1054/3.
92۔ نیز دیکھیے قرآن مجید: سورۃ التوبہ 91:9۔
93. التوبة 91:9.
94. النور 61:24.
95۔ دیکھیے: القرافی، احمد بن ادریس، شہاب الدین (م684ھ/1285ء) "الذخیرة"، تحقیق: محمد بوخیزۃ، دارالغرب الاسلامی، بیروت (س۔ن)، ص:393/3۔
96. التوبة 973:92-91.
97۔ دیکھیے: القرافی۔م۔ن، ص:393/373۔
98. ابن قدامة، عبدالله بن احمد المقدسی، (م 620ه/1223ء)، "روضة الناظر" مکتبة جامعة الإمام محمد بن سعود، ریاض (1399هـ)، ص:207-208/1؛ الغزالی "المستصفیٰ من علم الأصول"، ص:217/1؛ البعلی "القواعد و الفوائد الاصولیة"، ص:12/1.
99. الشیبانی "السیر الکبیر"، ص:132/1؛ السرخسی "المبسوط"، ص:3/10.
100. النساء :95/4.
101. التوبة :122/9.
102. دیکھیے! الشافعی "الأم"، ص: 167/4؛ ابن قدامة "المغنی"، ص: 162/9؛ العسقلانی "فتح الباری شرح صحیح البخاری"، ص:17/6؛ البهوتی "کشاف القناع"، ص:33/3؛ ابن نجیم "البحر الرائق"، ص:76/5.
103. الحاکم، محمّد بن عبدالله (م 405ه/1014ء) "المستدرک علی الصحیحین"، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان (1411هـ/ 1990ء) کتاب المناقب، باب ذکر رقیة بنت رسول الله صلّی علیه وسلّم (ح/6856)، ص:53/4.
104. الشافعی، محمّد بن ادریس، (م204ه/819ء) "الرسالة" تحقیق: احمد محمد شاکر، مکتبة العلمیة، بیروت، لبنان (1358هـ/ 1938ء)، ص:365-366.
105. البخاری، "الجامع الصحیح"، کتاب الجهاد، باب من اکتتب فی جیش فخرجت امرأته حاجة وکان له عذراً هل یؤذن له، (ح/2844)، ص:1094/3.
106. ابوداؤد "السنن" کتاب الجهاد، باب فی الرجل یغزو وابواه کارهان، (ح/2528)، ص:17/3.

☆☆☆☆

اسلام کا نظریۂ جنگ

”شریعتِ اسلامیہ میں جہاد و قتال کا فریضہ اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کی ذمے داری ہے۔ انفرادی طور پر کسی شخص یا گروہ کا دشمن اسلام کے خلاف مسلح کارروائی کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے اسلام کے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں، ان کا حصول ممکن نہیں رہتا۔ اُلٹا ایسی کارروائی سے فتنے اور فساد کو تقویت ملتی ہے، جس سے اسلام دشمن عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قرآن و سنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جہاد کی اجازت اسی وقت دی ہے، جب ان کے پاس باقاعدہ طور پر ریاست اور سربراہِ مملکت موجود ہو۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ جن شخصیات کے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں دو بادشاہ اور دو پیغمبرؑ شامل ہیں، جن کے پاس اپنے دور کی مضبوط ترین ریاستیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی جہاد کی اجازت اسی وقت ملی، جب آپ نے مدینہ منورہ میں ریاست قائم کر لی تھی۔“

(اسلام کا نظریۂ جنگ؛ مقاصد وضوابط۔ ص:104)